حسن الدین ہاشمی

ہستیِ اعلیٰ

اللہ بزرگ و برتر پر ایمان ، انسانی ضمیر کی آواز ہے - روح کی فطری تمیز (وجدان) اور عقل سلیم ہستیِ اعلیٰ کے وجود کی طرف انسان کی رہنمائی کرتی ہیں - یہی وجہ ہے کہ انسانی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے جیسے جیسے ہمارے قدم پیچھے ہٹتے جاتے ہیں ہمیں اقوام عالم میں شعور مذہبی نمایاں طور پر موجود نظر آتا ہے -

سائنس دانوں نے مختلف ذرائع سے جو معلومات اکٹھی کی ہیں ان کی روشنی میں زمین پر انسانی وجود کی ابتدا اندازاً پچاس لاکھ سال پہلے ہوئی مگر اس اندازہ تک ان کی رسائی یک لخت نہیں ہو گئی بلکہ برسوں کی کوششوں کے بعد وہ اس تک پہنچے ہیں - پہلے پہل انسانی وجود کی ابتدا کا اندازہ چند ہزار سال قبل تک لگایا گیا - پھر یہ عرصہ پچاس ہزار سال تک بڑھا ، پھر دس لاکھ سال تک - اور جیسے جیسے نئی نئی تحقیقات ہوتی رہیں ان کے نتیجے میں یہ مدت بڑھتی رہی چنانچہ جدید ترین تحقیقات کی روشنی میں یہ مدت پچاس لاکھ سال تک پہنچ چکی ہے -

کئی دوسرے امور میں بھی سائنسی تحقیقات کا یہی انداز رہا ہے - مثلاً زمین سے سورج کے فاصلے کو لیجیے؛ سن ۱۵۰۷ء میں سائنس دانوں کا یہ خیال تھا کہ زمین سے آفتاب کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ پچاس لاکھ میل ہے - پھر بعض نے کہا کہ یہ فاصلہ کسی طرح بھی ایک کروڑ تیس لاکھ میل سے کم نہیں ہو سکتا - سن ۱۶۷۰ء میں یہ خیال ظاہر کیا گیا کہ کم سے کم

فاصلہ آٹھ کروڑ اسی لاکھ میل اور زیادہ سے زیادہ دس کروڑ نو لاکھ میل ہے - سن ۱۸۲۲ء میں یہ نتیجہ نکالا گیا کہ یہ فاصلہ ۹ کروڑ باون لاکھ چوہتر ہزار میل ہے - اس کے بعد کچھ سائنس دانوں نے اس فاصلے کا تخمینہ ۹ کروڑ سولہ لاکھ انسٹھ ہزار میل لگایا - بعض نے اس پر ایک لاکھ میل کا اضافہ کیا ہے - کچھ دوسرے حضرات نے کہا کہ یہ فاصلہ ۹ کروڑ سترہ لاکھ تیس ہزار میل ہے - ۱۸۷۳ء میں کہا گیا کہ زمین سے آفتاب کا فاصلہ ۹ کروڑ بیس لاکھ میل ہے اور ۱۹۰۹ء میں کہا گیا کہ یہ فاصلہ ۹ کروڑ انتیس لاکھ میل ہے -

اسی طرح تہذیب انسانی کے متعلق ابتداءً کوئی آٹھ ہزار سال تک کی معلومات حاصل کی جا سکیں ؛ لیکن رفتہ رفتہ پچاس ہزار سال قبل تک کے انسانی تمدن کا سراغ لگا لیا گیا - اس تلاش و جستجو کے نتیجے میں ماضی قریب کے متعلق بہت سی تفصیلی معلومات حاصل ہوئیں مگر جیسے جیسے قدم پیچھے ہٹتے گئے معلومات کا دائرہ سکڑتا گیا ؛ تاہم نئے نئے انکشافات ضرور ہوئے اور کئی ایسے نظریات باطل ہو گئے جو چند ہزار سالہ تہذیب کی تحقیق کو سامنے رکھ کر قائم کیے گئے تھے جیسے ابتدائی انسان کے مذہبی شعور سے خالی ہونے کا نظریہ جسے بعض علمائے اجتماعیات نے انیسویں صدی میں بڑے زور شور سے پیش کیا - مگر اسی صدی میں ایسی تاریخی شہادتیں بھی مل گئیں جن سے اس نظریے کی تردید ہو گئی اور بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی میں تو ابتدائی انسانوں کے مذہبی شعور کے حامل ہونے پر ایسے زبردست تاریخی شواہد ملے جنھوں نے منکرین کے نظریے کے تابوت میں آخری کیل گاڑ دی -

تاریخ تمدن کی روشنی میں ماضی قریب کی بعض تہذیبیں مذہبی شعور سے خالی نظر آتی ہیں - وہ کسی مافوق الفطرت ہستی کی قائل نہیں - جس طرح دور حاضر میں دنیا کے کئی گوشوں سے یہ آواز بلند ہو رہی ہے کہ

انسان ہی سب کچھ ہے ، کوئی مافوق الفطرت ہستی موجود نہیں ۔ لیکن جس قدر ماضی بعید کی طرف ہٹتے جائیں مذہبی شعور ، جس کا مرکزی تصور ہستیِ اعلیٰ پر ایمان ہے ، کا دائرہ پھیلتا چلا جاتا ہے ۔ یہاں تک کہ زیادہ قدیم تہذیبوں تک پہنچ کر یہ دائرہ اس قدر ہمہ گیر وسعت اختیار کر لیتا ہے کہ ایک تہذیب بھی ایسی نہیں ملتی جو اس سے باہر ہو ۔

قدیم تہذیبوں کا مذہبی شعور رکھنا ایک ایسی حقیقت ہے جس کے متعلق اب شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی ۔ مذہبی تفصیلات میں یہ اگرچہ ایک دوسرے سے مختلف ضرور تھیں لیکن ان سب میں ایک قدر مشترک موجود تھی یعنی مافوق الفطرت ہستی پر ایمان ۔ تمام قدیم اقوام خواہ وہ دنیا کے کسی بھی خطے میں آباد رہی ہوں اس مشترک عقیدے میں حیرت انگیز طور پر متفق نظر آتی ہیں ۔ ان قدیم تہذیبوں کے مذہبی عقائد کا سرسری ذکر تو سینکڑوں برس سے ہوتا چلا آ رہا ہے لیکن انیسویں صدی میں مذہبی تصورات کی تاریخ نے ایک باقاعدہ علم کی حیثیت اختیار کر لی اور مختلف ممالک کے اصحاب تحقیق مذہبی عقائد کی ابتداء اور ان کی نشو و نما کی تاریخ مدون کرنے میں محو ہو گئے ۔ علمائے اجتماعیات نے بڑی جانفشانی سے قدیم تہذیب کے حامل قبائل کا پتا لگایا اور ان میں ایک عرصہ تک مقیم رہ کر ان کے افکار و اعمال اور رسم و رواج کی تفصیلات مرتب کیں اور یوں انسانیت کو بیش بہا علمی دولت سے مالا مال کیا ۔ اسی طرح ماہرین آثار قدیمہ نے بھی اس سلسلے میں نمایاں خدمات سر انجام دیں ۔ اس شعبے سے تعلق رکھنے والے سائنس دانوں کی انتھک مساعی کے سبب ہزاروں برس پرانی بستیوں کے کھنڈرات دریافت ہوئے جن میں قدیم دور کی مورتیاں ، کتبے اور برتن وغیرہ دستیاب ہوئے جن کے مطالعے سے اس نظریے کی تائید ہوئی کہ عہد قدیم کی کوئی قوم بھی مذہبی شعور سے خالی نہ تھی ۔ آثار قدیمہ کی کھدائی کا کام دنیا کے مختلف ممالک میں اب

بھی جاری ہے - اس سے قدیم تہذیبوں کی مذہبیت پر مزید شواہد ملیں گے -

لیکن قدیم اقوام کے مذہبیت کی حامل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی مذہبی رسوم کا ہر ہر حصہ صحیح ہو - بہت ممکن ہے کہ انھوں نے مافوق الفطرت ہستی کی عبادت کے لیے بعض غلط طریقے اختیار کیے ہوں - لیکن عبادت کی بعض رسموں کے غلط ہونے کے باوصف ، ان سب اقوام کے مذہبی شعور کی حامل ہونے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ مذہبیت انسان کی فطرت میں داخل ہے اور انسانی روح اسی طرح مذہب کی بھوک محسوس کرتی ہے جس طرح معدہ روٹی کی بھوک محسوس کرتا ہے - مگر جس طرح بعض اوقات معدہ کی بھوک مٹانے کے لیے غلطی سے نامناسب غذا استعمال کر لی جاتی ہے اسی طرح روحانی بھوک کے سلسلے میں بھی بعض اوقات ایسی ہی غلطی کا ارتکاب کر لیا جاتا ہے - چنانچہ بعض اقوام نے ایک کی بجائے کئی معبودوں کا اقرار کر لیا ، بعض نے بتوں کی عبادت شروع کردی اور بعض جانوروں کو پوجنے لگے - لیکن جس طرح غلط غذا کے انتخاب سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ معدے کو بھوک ہی نہیں لگی ، اسی طرح ہستیِ اعلیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرا لینے ، یا عبادت کی غلط رسموں کو اختیار کر لینے وغیرہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ روح انسانی میں ہستیِ اعلیٰ پر ایمان کی تڑپ ہی موجود نہیں -

مذہبی شعور کی ابتداء :

انسان میں شعور مذہبی کی ابتداء کے متعلق دو تصور پیش کیے گئے ہیں : ایک توحیدی اور دوسرا ارتقائی - توحیدی تصور کا حاصل یہ ہے کہ انسان کا سب سے پرانا مذہبی عقیدہ ایک ایسی ان دیکھی اور بزرگ و برتر ہستی پر ایمان ہے جو اس ساری کائنات کی خالق ہے - یہ علم انسان کو فطری تمیز (وجدان) اور الہام ربانی سے حاصل ہوا - لیکن پھر ایسا

ہوا کہ بعض اقوام کے قدم آہستہ آہستہ راہ حق سے ہٹنے لگے اور انھوں نے توحید کے پاکیزہ عقیدے کی بجائے شرک ، اور خدائے واحد پر ایمان کی بجائے متعدد خداؤں کو ماننا شروع کر دیا اور بعض نے تو دہریت کو اختیار کر لیا مگر پھر ادھر اُدھر بھٹکنے کے بعد ان میں سے کئی ایک راہ راست پر آ گئے اور خدائے واحد کے پرستار بن گئے ۔ ارتقائی تصور کا حاصل یہ ہے کہ مذہبی شعور کی ابتداء کسی توحیدی عقیدے سے نہیں ہوئی بلکہ ابتداء میں انسان مذہبی اعتقادات سے مکمل طور پر آزاد تھا ۔ بعد میں مختلف اسباب کے پیش نظر وہ کئی دیوتاؤں کے وجود پر ایمان لے آیا جیسے بارش کا دیوتا ، سمندر کا دیوتا ، آگ کا دیوتا ، پہاڑوں کا دیوتا اور آسمانوں وغیرہ کا دیوتا ۔ اس طرح انسان نے سینکڑوں خداؤں کو مان لیا ۔ پھر جیسے جیسے ذہن انسانی میں ارتقا ہوتا گیا توہم پرستی پر مبنی تصورات ختم ہونے لگے ، یہاں تک کہ سینکڑوں وہمی دیوتاؤں کی تعداد گھٹتے گھٹتے ایک تک آ پہنچی ۔

ارتقائی تصور کے ماننے والوں نے مذہب کی ابتداء کے متعلق چند نظریے پیش کیے ہیں ۔ ان نظریات کے لیے انھوں نے جن ذرائع سے امداد لی ہے وہ ایسے نہیں کہ زمانۂ قبل تاریخ کے مذہب کے متعلق مسلسل اور مکمل تفصیلات مہیا کر سکیں کیونکہ ابتدائی اقوام نے اپنے حالات پر مشتمل کوئی کتابیں پیچھے نہیں چھوڑیں جن سے ان کے مذہب کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل ہو سکیں ۔ ان کتابوں کے نہ ہونے کے سبب ان حضرات نے جن ذرائع سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی وہ دو ہیں : پہلے آثار قدیمہ اور دوسرے قدیم تہذیب کے حامل قبائل ۔ سب سے پہلے نگاہیں آثار قدیمہ کی طرف اٹھیں لیکن ماہرین آثار قدیمہ کی شبانہ روز کوششوں سے اب تک جو مواد فراہم ہوا ہے وہ پتھر کے بنے ہوئے چند اوزار ، کچھ مقبرے ، ٹوٹی پھوٹی عمارتیں ، پتھر کی مورتیاں ، دیواروں پر نقش کی ہوئی

تصویریں اور چند کتبے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ ان مختصر ، غیر مربوط اور غیر یقینی ذرائع سے انسان کے ابتدائی تصورات کے متعلق مربوط اور مفصل معلومات حاصل کرنا ناممکن تھا اسی لیے انیسویں صدی میں علمائے اجتماعیات نے زیادہ تر توجہ دوسرے ذریعۂ علم یعنی قدیم تہذیب کے حامل قبائل کے مطالعے کی طرف مبذول کی جو آسٹریلیا ، وسطی افریقہ اور امریکہ وغیرہ کے دور دراز جنگلوں میں رہائش پذیر تھے ۔ وہ مہذب دنیا کی تہذیب سے بے خبر ، اپنے پرانے رسم و رواج میں مگن تھے ۔ پہلے پہل جو چند قدیم قبائل دریافت ہوئے ان میں سے بعض مظاہر پرست ، بعض ارواح پرست اور بعض دوسرے تصورات کے حامل تھے ۔ ان کے متعلق یہ فرض کر لیا گیا کہ یہ آج بھی تہذیب و تمدن اور مذہبی رسوم و عقائد کے معاملے میں ابتدائی انسانوں کی سطح پر کھڑے ہیں ۔ ان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا ؛ لہٰذا دنیائے انسانیت کا ابتدائی فکری سرمایہ وہی تصورات ہیں جو ان قبائل کے ہاں پائے جاتے ہیں ۔ مہذب دنیا اپنی ارتقاء پذیری کے سبب انسانیت کے ابتدائی فکری سرمائے سے محروم ہو گئی ہے لیکن جنگلوں میں بسنے والے یہ قبائل چونکہ نئی دنیا کے رسم و رواج سے بے خبر رہے اس لیے ان کے ہاں یہ فکری سرمایہ محفوظ رہا ۔

میں کہتا ہوں قدیم تہذیب کے حامل قبیلوں کے متعلق علمائے اجتماعیات کا بیان کردہ مفروضہ علمی معیار پر پورا نہیں اترتا ۔ قانون ارتقا کا تقاضا یہ ہے کہ ان قبائل میں بھی یقیناً تغیر واقع ہوا ہے ، ان کے افکار اور رسم و رواج میں بھی لازماً تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں ۔ اگرچہ دوسری اقوام کی بہ نسبت ان کے ہاں ارتقاء و تغیر کی رفتار مدھم رہی تاہم تغیر واقع ضرور ہوا ۔ پس یہ دعوی کرنا کہ دنیائے انسانیت پہلے پہل جن تصورات سے آشنا ہوئی وہ ان قبائل میں بغیر تبدیلی کے ویسے کے ویسے موجود ہیں ایک بے جان خیال ہے ۔ اس خیال کے غلط ہونے کے لیے یہی بات کافی

ہے کہ ان قبائل کے رسم و رواج ایک دوسرے سے مختلف تھے ۔ کہیں مظاہر پرستی تھی ، کہیں ارواح پرستی اور کہیں جادوگری وغیرہ ۔ ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں دنیائے انسانیت کا اولین فکری سرمایہ نہیں ہو سکتیں ۔ پس معلوم ہوا کہ ان قبائل کے افکار میں بھی کچھ نہ کچھ تبدیلیاں ضرور واقع ہوئی ہیں ۔

انیسویں صدی کے نصف اول میں جب قدیم تہذیب کے حامل بعض قبائل کے حالات دنیا کو معلوم ہوئے تو کئی علمائے اجتماعیات ان کے احوال و کوائف کو سامنے رکھ کر ابتدائی مذہب اور اس کے سرچشمہ کا سراغ لگانے میں مصروف ہو گئے ۔ ایک فریق نے اپنی تحقیقات کا رخ قدیم اقوام کے اساطیر یعنی پرانے نقل شدہ اوہامی تصورات کی طرف پھیرا ، کسی نے ان اقوام کی اجتماعی اشکال پر غور کیا اور کسی نے اشتقاق لغت کا سہارا لے کر ان قبائل کے خداؤں کی صفات کے متعلق بحث کی ۔ پھر بعض علما کی ملاقات مظاہر پرست قبائل سے ہوئی تھی ، بعض کی ارواح پرست سے اور بعض کی جادوگر وغیرہ قبائل سے ۔ جس کے نتیجے میں انیسویں صدی کے نصف آخر میں مذہب کی ابتدا کے متعلق کئی نظریے پیدا ہو گئے جن میں طبیعیت اور روحیت زیادہ مشہور ہیں ۔

نظریۂ طبیعیت [**نیچرازم** (Naturism)] :

نظریۂ طبیعیت کا حاصل یہ ہے کہ ابتدائی انسان نے سب سے پہلے مظاہر فطرت جیسے چاند ، سورج ، ستاروں ، آگ ، دریاؤں اور پہاڑوں وغیرہ کو معبود بنایا ۔ پھر بعد میں روحوں کی عبادت شروع ہو گئی ۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کئی دیوتاؤں کا تصور پیدا ہوا ، پھر جیسے جیسے انسانی ذہن ارتقائی مرحلے طے کرتا گیا دیوتاؤں کی تعداد گھٹنے لگی یہاں تک کہ ایک خدا کا تصور پیدا ہو گیا ۔

بعض ماہرین لسانیات نے جب ویدوں[1] کا مطالعہ کیا اور ان میں دیوتاؤں کے لیے استعمال ہونے والے ناموں کی لغوی تحقیق کی تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ابتدائی انسان نے سب سے پہلے مظاہر فطرت کی عبادت شروع کی ۔ اس خیال کی تائید میں ان حضرات نے دو مزید دلائل بھی پیش کیے ۔ ایک کا تعلق مظاہر فطرت کے لیے استعمال ہونے والے ناموں کی لغوی تحقیق سے ہے اور دوسری کا تعلق انسانی نفسیات سے ۔ اس طرح نظریۂ طبیعیت کے حامیوں نے اپنے نظریے کو تین طریقوں سے ثابت کرنے کی کوشش کی : (۱) ویدوں میں دیوتاؤں کے لیے استعمال ہونے والے ناموں کی لغوی تحقیق (۲) مظاہر فطرت کے لیے استعمال ہونے والے ناموں کی لغوی تحقیق (۳) انسانی نفسیات کا مطالعہ ۔

(۱) پہلی دلیل کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ ویدوں میں دیوتاؤں کے نام مظاہر فطرت کے ناموں پر ہیں جیسے ایک دیوتا کا نام ''اگنی'' ہے جس کے معنی ''آگ'' کے ہیں ۔ ایک کا نام ''دیاؤس'' ہے ۔ اس لفظ کے معنی ''چمکدار آسمان'' کے ہیں ۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ ابتدائی انسان نے پہلے پہل مظاہر فطرت کی عبادت شروع کی ، پھر بعد میں جب اس کے ہاں دیوتاؤں کا تصور پیدا ہوا تو اس نے ان کے وہی نام رکھ دیے جو مظاہر فطرت کے تھے ۔

ویدوں کے مطالعہ کے بعد جب حامیان طبیعیت نے ہندی اقوام کے علاوہ بعض دوسری آریہ اقوام کے دیوتاؤں کے ناموں کی تحقیق کی تو ان

۱۔ وید کے لفظی معنی ''مقدس علم'' کے ہیں ۔ یہ لفظ چار کتابوں کے لیے استعمال ہوتا ہے : (۱) رگوید ۔ (۲) سام وید ۔ (۳) یجر وید اور (۴) اتھروید ۔ ان کے زمانۂ تصنیف کے متعلق کئی آراء پیش کی گئی ہیں ۔ تاہم ان کے مطالعے سے یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ کتابیں کسی ایک دور کی تصنیف نہیں ۔ حسن

میں باہم مشابہت پائی ۔ مثلاً آگ کے دیوتا کو ہندی ''اگنی'' کہتے ہیں جس کے معنی ''آگ'' کے ہیں ۔ دوسری آریہ قوموں میں بھی اس لفظ ''اگنی'' سے ملتے جلتے الفاظ ، دیوتاؤں کے ناموں کے طور پر استعمال ہوتے ہیں جیسے لاطینی میں لفظ ''اگنیس'' سالاوی میں ''اوگنی'' اور لتوانی میں ''اوگنیس'' استعمال ہوتا ہے ۔ ان تینوں کے معنی بھی ''آگ'' کے ہیں ۔ اسی طرح آسمان کے دیوتا کو ہندی ''دیاؤس'' کہتے ہیں جس کے معنی ''چمکدار آسمان'' کے ہیں جب کہ قدیم یونانی اپنے بڑے معبود کو ''زیوس'' اور اوسانی ''جوفیس'' کہتے ہیں ۔ قدیم جرمنی زبان میں آسمان کے دیوتا کو ''زیو'' کہا جاتا ہے ۔ یہ تینوں الفاظ بھی آسمان کے معنی پر دلالت کرتے ہیں ۔ مختلف آریہ اقوام میں دیوتاؤں کے لیے استعمال ہونے والے ان ملتے جلتے ناموں سے جہاں یہ بات اخذ کی گئی کہ یہ سب اقوام پہلے پہل مظاہر فطرت کی پجاری تھیں وہاں یہ نتیجہ بھی نکالا گیا کہ ان تمام کا ابتداءً ایک ہی مذہب تھا ۔ پھر جب زمانے نے انھیں منتشر کر دیا تو انھوں نے بعض تفصیلات میں اختلاف کے باوجود اپنے ان معبودوں کے نام محفوظ رکھے جن کی وہ پوجا کرتے تھے ۔

(۲) دوسری دلیل کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ مظاہر فطرت کی عبادت کا باعث ان کے اسماء بھی تھے ۔ یہ اسماء ، انسانی افعال سے مشابہت رکھنے والے افعال پر دلالت کرتے تھے ۔ مثلاً عربی میں سورج کا ایک نام ''رامی النبال المذہبۃ'' ہے یعنی سنہری تیر پھینکنے والا ۔ اور ہوا کا ایک نام ''انان'' ہے یعنی کراہنے والی ، آہ آہ کرنے والی ۔ ابتدائی انسانوں کی بولیوں میں بھی مظاہر فطرت کے لیے اس طرح کے اسماء استعمال ہوتے تھے ۔ یہ استعمال تھا تو مجازی مگر لوگوں نے اس مجاز کو حقیقت سمجھ لیا اور ان مظاہر فطرت کو بھی انسانوں کی طرح ایسے زندہ اشخاص تصور کر لیا جو اپنے اختیار و ارادے سے نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں ۔

یہ تصور تھا تو غلط مگر ابتدائی انسان اپنی کم علمی کے باعث اس میں مبتلا ہو گئے ۔ چونکہ اس غلط فہمی کا باعث ، مظاہر فطرت کے لیے ایسے الفاظ کا استعمال تھا جو انسانی افعال پر دلالت کرتے تھے ، اس لیے ابتدائی انسان ایک اور بھی غلط فہمی کا شکار ہوگئے ۔ وہ یہ کہ بعض مظاہر فطرت کی بدلتی ہوئی حالتوں کے پیش نظر ان کے مختلف نام رکھ دیے جاتے ہیں، مثلاً ابتدائی تاریخوں کے چاند کو ''ہلال'' اور چودہ تاریخ کے چاند کو ''بدر'' کہا جاتا ہے ۔ اسی طرح جس وقت سورج طلوع ہوتا ہے تو اسے ''رامی النبال المذہبۃ'' کہا جاتا ہے اور جب اس کی روشنی اور گرمی خوب پھیل جاتی ہے تو اسے ''ناشر النور والحرارۃ'' کہا جاتا ہے ۔ ابتدائی انسانوں کے ہاں بھی بعض اوقات ایک ہی چیز کے لیے مختلف حیثیات کے پیش نظر کئی نام استعمال کیے جاتے تھے مگر وہ اس قسم کے مختلف ناموں سے اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ یہ مختلف اشخاص کے نام ہیں ۔ قدیم اساطیر میں اس طرح کی کئی مثالیں پائی جاتی ہیں ۔

آج بھی مظاہر فطرت کے متعلق گفتگو کرتے وقت ان کی طرف ایسے افعال کی نسبت کر دی جاتی ہے جو زندہ چیزوں کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں مثلاً چاندنی رات ہو تو کہا جاتا ہے ''چاند مسکرا رہا ہے'' ۔ تیز دھوپ ہو تو کہا جاتا ہے ''اس وقت سورج بہت غضب ناک ہے'' ۔ اس طرح کا اندازِ گفتگو قدیم دور میں بھی موجود تھا جس سے ابتدائی انسانوں نے مظاہر فطرت کو جاندار اشیاء سمجھ لیا ۔ اور جس طرح آج کل شعراء اپنے شعروں میں چاند ، سورج ، ستاروں اور پہاڑوں وغیرہ کو اس طرح خطاب کرتے ہیں جیسے وہ زندہ ہوں ، سانس لیتے ہوں ، باتیں سنتے ہوں اور باتیں کرتے ہوں اسی طرح قدیم زمانے کے شعراء بھی مظاہر فطرت سے خطاب کیا کرتے تھے ۔ یہ خطاب بھی مجازی طور پر تھا مگر ابتدائی دور کے انسانوں نے اپنی سادہ لوحی اور کم علمی کے باعث اس مجاز کو

حقیقت سمجھ لیا اور ان مظاہر کو جاندار اشیاء تصور کر کے ان کی پوجا پاٹ شروع کر دی ۔

(۳) نظریۂ طبیعیت کے حامیوں نے اپنے مسلک پر تیسری دلیل انسانی نفسیات سے پیش کی ہے جس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ ابتدائی انسان نے جب اپنے اردگرد نظر دوڑائی تو اسے ہر طرف حیرت انگیز اور ہیبت ناک مظاہر فطرت نظر آئے ۔ اس نے سورج کو دیکھا کہ طلوع ہوتا ہے ، پھر غروب ہو جاتا ہے اور کبھی کبھار گہنا بھی جاتا ہے ۔ چاند کو دیکھا کہ وہ ابتدائی تاریخوں میں بالکل چھوٹا ہوتا ہے ، پھر بڑا ہوتے ہوتے پورا ہو جاتا ہے ، پھر چھوٹا ہونا شروع ہو جاتا ہے ۔ بادلوں کو دیکھا وہ گرجتے ہوئے آتے ہیں اور بارش برسا کر چلے جاتے ہیں ۔ دریاؤں کو دیکھا کہ وہ مسلسل بہہ رہے ہیں اور کبھی کبھی اس قدر بپھر جاتے ہیں کہ ان کی موجیں کناروں سے باہر نکلنے لگتی ہیں ۔ ابتدائی انسان کے ذہن پر ان مظاہر نے بہت اثر ڈالا ۔ وہ ان کے اسباب سے ناواقف تھا اس لیے خوف زدہ ہو گیا اور ان کی عظمت کے سامنے خود کو حقیر اور عاجز سمجھنے لگا ۔ اس سے اس کے ذہن میں مذہبی شعور پیدا ہوا اور اس نے ان مظاہر کی عبادت شروع کر دی ۔

مظاہر فطرت کے تغیرات کو دیکھ کر ابتدائی انسان نے ان کے متعلق یہ خیال کیا کہ یہ ایسی جاندار اشیاء ہیں جو اپنی مرضی سے کبھی ایک حالت اختیار کر لیتی ہیں کبھی دوسری ۔ یہ بات تو اسے بڑی مدت بعد معلوم ہوئی کہ یہ تغیرات پابندی کے ساتھ اسی طرح ظاہر ہوتے رہتے ہیں ۔ مثلاً چاند ہمیشہ ابتدائی دنوں میں چھوٹا ہوتا ہے پھر بڑا ہو جاتا ہے ۔

حامیان طبیعیت کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ ابتدائی انسان نے جب پہلے پہل مظاہر فطرت کو دیکھا تو وہ حیرت و دہشت

میں مبتلا ہو گیا ۔ مثلاً جب اس نے پہلی دفعہ آگ دیکھی تو ظاہر ہے کہ اس کے دل میں خوف اور حیرت کے ملے جلے جذبات پیدا ہوئے ۔ آگ کی حرارت ، اشیاء کو جلانے کی قوت اور اس کی روشنی دیکھ کر اس کا دل اس کی عظمت سے لبریز ہو گیا اور اس نے اسے اپنا معبود بنا لیا ۔

تنقید :

ایک مدت سے نظریۂ طبیعیت ، علمائے اجتماعیات کے نزدیک باطل قرار پا چکا ہے ۔ انیسویں صدی کے نصف آخر میں جب اسے پیش کیا گیا تو بعض حلقوں میں اس نے بڑی قبولیت حاصل کر لی ۔ مگر ابھی انیسویں صدی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ اس کو رد کر دیا گیا ۔ اب حالت یہ ہے کہ بیسویں صدی کا کوئی بھی قابل ذکر مفکر اس کا قائل نہیں ۔ مگر بعض نام نہاد علماء ، انکار مذہب کے شوق میں اب بھی ہر غلط سلط بات پیش کرنے سے نہیں باز آتے اس لیے اس نظریے کے دلائل کا یہاں تجزیہ ضروری ہے ۔

مذہب ایک حقیقت کے طور پر پہلے بھی موجود تھا ، اب بھی موجود ہے اور ہمیشہ موجود رہے گا ۔ اس کا بنیادی عقیدہ خدا کی ہستی پر ایمان ہے ۔ مگر جو لوگ مذہب کے منکر ہیں وہ مذہبی عقائد کو توہم پرستی کی پیداوار شمار کرتے ہیں ۔ انھوں نے اپنے ذہن میں یہ بات بٹھا لی ہے کہ مذہب محض ایک خیالی اور بے اصل چیز ہے ۔ اب جب وہ مذہب کی ابتدا کے متعلق بحث کرنے لگتے ہیں تو ہر دلیل کو توڑ موڑ کر اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ اس سے مذہب کے فرضی اور بے اصل ہونے کا اثبات ہو ۔ بلکہ بعض اوقات تو منکرین ایسے انداز میں ابتدائے مذہب کا ذکر کرتے ہیں جیسے تمام اہل علم کے نزدیک مذہب کا خیالی ہونا ایک تسلیم شدہ حقیقت ہو حالانکہ یہ منکرین کی خود فریبی ہے ۔

منکرین خود کو آزادانہ اور غیر پابند تحقیق کا علم بردار شمار کرتے ہیں ۔ میں بھی اس انداز تحقیق کا قدردان ہوں لیکن آزادانہ تحقیق کا یہ طریقہ تو نہیں ہوتا کہ پہلے سے ذہن میں ایک تصور بٹھا لیا جائے اور پھر دلائل کو کھینچ تان کر اس پر منطبق کیا جانے لگے ۔ بلکہ اس کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ پہلے ذہن کو کسی بھی نظریے کی طرف جھکاؤ سے خالی کر کے غیر جانب دار بنا لیا جائے اور پھر مختلف دلائل پر غور کیا جائے ۔ اب جو نظریہ صحیح معلوم ہو اسے قبول کر لیا جائے ۔ مگر منکرین مذہب ، جو ''تحقیق'' کے بھاری بھرکم لفظ سے عوام کو مرعوب کرنے کی کوشش کرتے نہیں تھکتے ، مذہب پر تنقید کے سلسلے میں انتہائی غیر تحقیقی اور غیر علمی طرز عمل کا شکار ہیں ۔ جو دلائل ان لوگوں نے مذہب کے خلاف پیش کیے ہیں اگر تعصب کی عینک اتار کر ان پر غور کرتے تو کبھی ان سے مذہب کے فرضی ہونے پر استدلال نہ کرتے ۔

اب ذرا ان دلائل پر غور کیجیے جنھیں نظریہ' طبیعیت کے حامیوں نے اپنے نظریے کی تائید میں بڑے زور شور سے پیش کیا ہے :

(۱) اس نظریے کی تائید میں جو تین دلائل پیش کیے گئے ہیں ان میں سے پہلی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ ویدوں میں دیوتاؤں کے نام ، مظاہر فطرت کے ناموں پر ہیں جس سے معلوم ہوا کہ انسان پہلے پہل مظاہر فطرت کا پجاری تھا ۔ نیز مختلف آریائی اقوام کی بولیوں میں دیوتاؤں کے نام باہم ملتے جلتے ہیں جس سے پتا چلتا ہے کہ تمام آریہ اقوام پہلے پہل مظاہر فطرت کی پجاری تھیں ۔

یہ دلیل بہ وجوہ غلط ہے کیوں کہ :

(الف) ویدوں میں جہاں دیوتاؤں کے لیے ایسے نام استعمال

ہوئے ہیں جو مظاہر فطرت کے ناموں پر ہیں وہاں ایسے نام بھی استعمال ہوئے ہیں جو مظاہر فطرت کے ناموں پر نہیں جیسے پرجا پتی (مخلوقات کا مالک) وغیرہ ۔

(ب) مختلف آریائی اقوام کی بولیوں میں جہاں دیوتاؤں کے چند نام باہم ملتے جلتے ہیں ، وہاں دیوتاؤں کے ایسے نام بھی موجود ہیں جو ایک دوسرے سے کوئی مشابہت نہیں رکھتے ۔

(ج) ویدوں کی آریائی اقوام کے زمانے میں کئی دوسری اقوام بھی دنیا میں آباد تھیں جب کہ حامیان طبیعیت کی تحقیق (وہ بھی ناقص اور غلط) کا دائرہ صرف آریائی اقوام تک محدود ہے ۔ اگر بالفرض یہ تحقیق صحیح ہوتی تو بھی اس سے صرف آریائی اقوام کی مظاہر پرستی ثابت ہوتی لیکن اس سے اس دور کی تمام اقوام کا مظاہر پرست ہونا کس طرح ثابت ہوتا ہے اور تمام عالمِ انسانیت کے ابتدائی مذہب کو مظاہر پرستی کیوں کر قرار دیا جا سکتا ہے ؟

(د) ویدوں کا تعلق آج سے تقریباً پانچ ہزار برس پہلے کے دور سے ہے (بعض ماہرین نے اس سے کم کا دعویٰ کیا ہے) ، جب کہ انسانیت کی ابتدا آج سے دس لاکھ سال پہلے بلکہ بقول بعض پچاس لاکھ سال پہلے ہوئی اور پچاس ہزار سال پہلے تک کی انسانی تہذیب کے آثار دریافت ہو چکے ہیں ۔ اگر بالفرض یہ ثابت بھی ہو جائے کہ ویدوں کے دور کی آریائی اقوام مظاہر پرست تھیں تو اس سے تمام

عالم انسانیت کا ابتدائی مذہب ، مظاہر پرستی کیوں کر قرار دیا جا سکتا ہے ؟

ویدوں میں مختلف دیوتاؤں کے ذکر سے مذہب کے ارتقائی تصور کا نظریہ قائم کرنا سطحی سوچ کا نتیجہ ہے ۔ آریائی اقوام کے متعلق یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ پہلے پہل انھوں نے مظاہر پرستی شروع کی ، پھر کئی دیوتاؤں کا نظریہ گھڑ لیا اور بعد میں ایک خدا کو ماننے لگے ۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک خدا کے وہ پہلے سے قائل تھے ، باقی دیوتاؤں کو وہ اللہ کی مخلوق سمجھتے تھے ۔ ویدوں میں جہاں مختلف دیوتاؤں کا ذکر آتا ہے وہاں دیوتاؤں کے دیوتا (اللہ بزرگ و برتر) کا ذکر بھی موجود ہے ۔ لہٰذا ویدوں کو مذہب کے ارتقائی تصور کی تائید میں پیش کرنا ، حق و انصاف کا خون کرنا ہے ۔ دراصل مختلف دیوتاؤں کا تصور ، خدائے بزرگ کی ہستی کے عقیدے کے بعد پیدا ہوا ۔ اس تصور کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق میں بعض ایسی طاقت ور روحانی شخصیتیں مانی گئی ہیں جو مختلف مظاہر فطرت کی نگران و مدبر ہیں ۔ انھیں فرشتے ، عقول اور دیوتا وغیرہ کہا جاتا ہے ۔ تمام بڑے بڑے مظاہر فطرت کے الگ الگ دیوتا خیال کیے جاتے ہیں جیسے آگ کا دیوتا ، ہوا کا دیوتا ، پانی کا دیوتا اور آسمان کا دیوتا ۔ ان دیوتاؤں کے نام بھی بعض اوقات متعلقہ مظاہر کے ناموں پر رکھ دیے جاتے ہیں جیسے آگ کے دیوتا کا نام اگنی ہے (بمعنی آگ) اور آسمان کے دیوتا کا نام دیاؤس ہے (بمعنی چمک دار آسمان) ۔ ویدوں وغیرہ مذہبی کتب کی روایات سے صرف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ بعض مذاہب کے نزدیک اللہ بزرگ و برتر نے کچھ ایسے دیوتا بھی تخلیق کیے ہیں جن کے ذمے مختلف مظاہر فطرت کی تدبیر و نگرانی ہے ۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ پہلے پہل انسانوں نے مظاہر فطرت کی عبادت شروع کی ، پھر بہت سے دیوتاؤں کا عقیدہ پیدا ہوا اور بعد میں

خدائے واحد کے وجود کا عقیدہ ظاہر ہوا ایک انتہائی مہمل نظریہ ہے ۔

(۲) دوسری دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ ابتدائی انسانوں کے ہاں مظاہر فطرت کے لیے ایسے اسماء استعمال ہوتے تھے جن کا مفہوم جان دار اشیاء کے افعال پر دلالت کرتا تھا جیسے ہوا کا نام الان ہے (بمعنی چیخنے والی) اسی طرح مظاہر فطرت کی طرف ایسے افعال کی نسبت کی جاتی تھی جو صرف زندہ چیزوں کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں جیسے چاندنی رات ہو تو کہا جاتا ہے ''چاند مسکرا رہا ہے'' ۔ ابتدائی انسان اس قسم کے ناموں سے اور اس قسم کے افعال کی نسبت سے (جو دراصل مجازی تھی) اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ مظاہر فطرت بھی جان دار ہیں اور ان کی عبادت ہمارے لیے فائدہ مند ہو سکتی ہے ۔ یوں ابتدائی مذہب یعنی مظاہر پرستی کی ابتدا ہوئی جس کی ترقی یافتہ صورت ، دور حاضر کے مذاہب ہیں ۔

ذرا سا غور و فکر کیا جائے تو اس دلیل کی سطحیت نمایاں ہو جاتی ہے کیوں کہ ابتدائی دور کے جن انسانوں نے مظاہر فطرت کے ناموں سے دھوکا کھایا ، ظاہر ہے کہ ان اسماء کو مظاہر فطرت کے لیے سب سے پہلے استعمال کرنے والے وہ نہ تھے ورنہ کبھی دھوکا نہ کھاتے ۔ بلکہ پہلے پہل استعمال کرنے والے وہ لوگ تھے جو ان سے پہلے گزر گئے ۔ چونکہ وہ ان اسماء کی اصلیت سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ مثلاً ہوا کو ''الان'' اس لیے نہیں کہا جاتا کہ وہ کوئی جان دار چیز ہے بلکہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ بعض اوقات اس کے تیز چلنے سے ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسی کسی جان دار چیز کے چیخنے سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا وہ لوگ مظاہر فطرت کو جان دار سمجھنے کے دھوکے سے محفوظ رہے اور مظاہر پرستی میں مبتلا نہ ہوئے ۔ لیکن بعد میں آنے والے کچھ لوگ ان اشیاء کو جان دار سمجھنے کے دھوکے کا شکار ہو کر مظاہر پرستی میں

مبتلا ہو گئے ۔

اسی طرح مظاہر فطرت کی طرف ، افعال کی مجازی نسبت کو حقیقی سمجھ لینے والے بھی بعد کے انسان تھے ۔ لیکن جنھوں نے پہلے پہل یہ مجازی نسبت کی ، ظاہر ہے کہ وہ اسے حقیقی سمجھنے کی غلطی میں مبتلا نہ ہوئے ۔ اسی لیے انھوں نے مظاہر فطرت کو جان دار خیال نہ کیا اور مظاہر پرستی سے محفوظ رہے ۔ ہاں بعد کے کچھ لوگوں نے کم علمی کی بنا پر مجاز کو حقیقت سمجھ لیا اور مظاہر کو جان دار سمجھ کر ان کی پوجا پاٹ میں لگ گئے ۔ مگر اس سے یہ دعویٰ کسی طرح بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ عالم انسانیت کا ابتدائی مذہب ، مظاہر پرستی تھا ۔ آخر وہ لوگ جو ان مظاہر پرستوں سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا بھی تو کوئی مذہب تھا ۔ اگر حامیان طبیعیت ان لوگوں کے مذہب سے بے خبر ہیں تو ان کے لیے صحیح اور باوقار طریقہ صرف یہ ہے کہ مذہب کی ابتدا کے متعلق اپنی لاعلمی اور نارسائی کا اعتراف کر لیں ۔ مگر یہ انداز تو سراسر غیر علمی ہے کہ ابتدائی اقوام کا مذہب نہ معلوم ہونے کے سبب ، بعد میں آنے والی کسی قوم کے مذہب کو عالم انسانیت کا ابتدائی مذہب قرار دے دیا جائے ۔ یاد رکھو ! کثرت پرستی بعد کی پیداوار ہے ۔ عالم انسانیت کا ابتدائی مذہب ، توحید تھا جس میں صرف اللہ بزرگ و برتر کی عبادت کی جاتی تھی ۔ دور حاضر کی جدید ترین تحقیقات سے بھی مذہب توحید ہی کی تائید ہوتی ہے ۔

(۳) تیسری دلیل کا حاصل یہ ہے کہ ابتدائی انسان نے جب بڑے بڑے مظاہر فطرت دیکھے اور ان کے تغیرات پر نظر ڈالی تو وہ ہیبت زدہ ہو گیا اور ان چیزوں کو جان دار سمجھ کر ان کی عبادت کرنے لگا ۔ یوں مظاہر پرستی کی ابتدا ہوئی جو انسانیت کا ابتدائی مذہب ہے ۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس مظاہر پرستی میں تبدیلیاں ہوتی گئیں یہاں تک

کہ اس نے توحید کی شکل اختیار کر لی ۔

یہ دلیل بھی بہت کمزور ہے کیوں کہ :

(الف) اگر دنیائے انسانیت کا ابتدائی مذہب ، مظاہر پرستی ہوتا تو پھر دور حاضر کی ترقی یافتہ اقوام میں اسے موجود نہیں ہونا چاہیے تھا ۔ لیکن کئی مہذب اقوام آج بھی آگ اور سورج وغیرہ کی پوجا کر رہی ہیں ۔ پس ارتقائی مذہب کے حامیوں کے اپنے اصول کی رو سے بھی معلوم ہوا کہ ابتدائی مذہب ، مظاہر پرستی نہ تھا ورنہ وہ آج کل کی مہذب اقوام میں موجود نہ ہوتا ۔

حامیان طبیعیت کو ضد اور ہٹ دھرمی چھوڑ کر گہرے غور و فکر سے کام لینا چاہیے تا کہ وہ بھی اس سچائی کو پالیں کہ انسانیت کا ابتدائی مذہب صرف توحید تھا ، کثرت پرستی بعد کی پیداوار ہے جسے جہالت ، توہم اور وجدان کی آواز سے بے خبری نے جنم دیا ۔ مگر وہ وقت دور نہیں جب تمام جھوٹے مذاہب کا خاتمہ ہو جائے گا اور دنیا پھر حق و صداقت کی پیروکار بن جائے گی ۔

(ب) انیسویں صدی کے آخر تک آسٹریلیا اور امریکہ میں بہت سے ایسے قبائل موجود تھے جو پرانی تہذیب کے حامل اور نئی تہذیب سے ناآشنا تھے ۔ چونکہ انھیں اپنے معاشرتی ماحول سے نکلنے اور مہذب اقوام سے ملنے کا موقع ہی نہیں ملا اس لیے ان کے متعلق یہ خیال کیا گیا کہ ان کے ذہنی ارتقاء کی رفتار نہ ہونے کے برابر رہی ہے ، اس لیے ابتدائی انسان کے افکار و اعمال ان

قبائل میں ویسے کے ویسے محفوظ رہے ہیں ۔ چنانچہ انسان کا ابتدائی مذہب معلوم کرنے کے لیے علمائے اجتماعیات نے انھیں اپنے مطالعے کا موضوع بنایا ۔ ان کے رسم و رواج اور نظریات کی تفصیلات اکٹھی کی گئیں ۔ چند ایک قبائل کے مطالعے سے علماء کے ایک گروہ نے مذہب کے ارتقائی تصور کی تائید نکالی ۔ پھر یہ گروہ آپس میں بھی کئی ٹولیوں میں بٹ گیا ۔ کسی ٹولی نے طبیعت کو اپنایا تو کسی دوسری نے کوئی اور نظریہ پیش کر دیا ۔

ان قبائل کے متعلق بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں ان کے رسم و رواج کی مکمل تفصیلات درج ہیں ۔ ان کتب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ و آسٹریلیا کے بہت سے مظاہر پرست قدیم قبائل چاند ، سورج ، پہاڑ اور سمندر وغیرہ جیسے بڑے بڑے مظاہر فطرت کی پوجا نہیں کرتے تھے بلکہ وہ مینڈک اور خرگوش جیسے حقیر قسم کے جانوروں کی عبادت کرتے تھے ۔ اگر حامیان طبیعیت کی نفسیاتی دلیل درست ہو تو چاہیے تھا کہ قدیم قبائل ان حقیر قسم کے جانوروں کی بجائے صرف بڑے بڑے ہیبت ناک مظاہر فطرت کے پجاری ہوتے مگر ایسا نہیں ہوا ۔ پس معلوم ہوا کہ نظریۂ طبیعیت ایک بے اصل مفروضہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا ۔

نظریۂ روحیت [انیمزم (Animism)] :

نظریۂ روحیت کا حاصل یہ ہے کہ انسان پر خوابوں کے ذریعے روح کا انکشاف ہوا ، پھر اس کے ذہن میں کچھ روحوں کے اچھا اور کچھ کے برا ہونے کا تصور پیدا ہوا ۔ اس نے اچھی روحوں سے فائدہ حاصل کرنے

اور بری روحوں کے شر سے بچنے کے لیے ان کی عبادت شروع کر دی اور ان کے نام پر قربانیاں دینے اور نذر و نیاز ادا کرنے لگا ۔ آہستہ آہستہ روح کے تصور میں وسعت پیدا ہوتی گئی اور مظاہر فطرت جیسے چاند ، سورج ، ستاروں وغیرہ میں بھی روح کو اعتقاد کر لیا گیا اور ان کے نام پر بھی قربانیوں اور نذر و نیاز کا سلسلہ شروع ہوگیا ۔ اب انسان کا تخیل کافی بلندی پر پرواز کرنے لگا تھا چنانچہ اس نے ایک قدم آگے بڑھ کر ارواح سے بھی زیادہ بلند و بالا ہستیوں یعنی دیوتاؤں کا تصور پیدا کر لیا اور بہت سے دیوتا فرض کر کے ان کی پرستش شروع کر دی ۔ پھر جیسے جیسے انسانی شعور میں ارتقاء ہوتا گیا ان خیالی دیوتاؤں کی تعداد گھٹتی گئی یہاں تک کہ ایک تک آ پہنچی ۔

خوابوں کی مدد سے روح تک رسائی :

مگر انسان خوابوں کی مدد سے روح کے تصور تک کیسے پہنچا ۔ اس کی کہانی اس طرح فرض کی گئی ہے کہ اس نے سوتے وقت خواب دیکھا کہ وہ کسی دور دراز جگہ پہنچا ہوا ہے جہاں وہ چلتا پھرتا ہے ، اٹھتا بیٹھتا ہے اور کھاتا پیتا ہے ۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ وہ جہاں سویا تھا وہاں ہی تھا ۔ خواب میں نظر آنے والی جگہ پر نہ تھا ۔ وہ حیرت زدہ ہو کر سوچنے لگا یہ کیسے ہو گیا کہ میں جہاں سویا تھا وہاں بھی موجود رہا اور اس کے ساتھ ساتھ دور دراز جگہ کی سیر بھی کرتا رہا ۔ کچھ سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ جہاں میں سویا تھا وہاں تو میرا جسم موجود رہا اور جو چیز دور دراز جگہ کی سیر کرتی رہی وہ میری کوئی ایسی شے ہے جو جسم سے مختلف ہے ۔ موت کے حادثہ نے بھی اس بات کی تائید کی کہ جسم میں کوئی ایسی چیز موجود ہے جو جسم سے مختلف ہے کیونکہ جب وہ چیز الگ ہو جاتی ہے تو جسم کسی پتھر کی طرح بے حس و حرکت ہو جاتا ہے ۔

یہ جسم تو پہلے والا ہی ہوتا ہے مگر چل پھر نہیں سکتا - معلوم ہوا چلانے پھرانے والی کوئی اور چیز تھی جو نکل گئی ہے - اسی کا نام روح ہے -

بقاء روح کا تصور :

وجود روح کی طرح بقاء روح کا تصور بھی انسان کے ذہن میں خوابوں ہی کے ذریعے پیدا ہوا - اس کے وہ عزیز و اقارب جنھیں مرے ہوئے کئی برس گزر چکے تھے ، اس نے خواب میں دیکھا کہ ان کے ساتھ اکٹھا بیٹھا ہوا ہے ، گفتگو کر رہا ہے ، چل پھر رہا ہے - جب بیدار ہوا تو اس نے خیال کیا کہ رات جو چیز میرے ساتھ گفتگو کرتی رہی ہے وہ جسم انسانی کی وہی چھپی ہوئی طاقت تھی جسے روح کہا جاتا ہے - یہاں سے اس کے دل میں یہ تصور پیدا ہوا کہ مرنے والوں کی روح باقی رہتی ہے اور جہاں چاہتی ہے آ جا سکتی ہے -

انسان سے ہر طرح کے اچھے برے افعال روح ہی صادر کراتی ہے - لہٰذا جس انسان کو اچھا کہا جاتا ہے وہ دراصل اچھی روح والا ہوتا ہے اور جسے برا کہا جاتا ہے وہ بری روح والا ہوتا ہے - اس طرح ارواح کی دو قسمیں ہوگئیں : پاک اور گندی - پاک روحوں سے فائدے کی امید ہوتی تھی اور گندی سے نقصان کا اندیشہ - چنانچہ ابتدائی انسان نے روحوں کی رضاجوئی شروع کر دی تاکہ پاک روحوں سے فائدہ اٹھائے اور گندی روحوں کے شر سے بچے - اس مقصد کے لیے روحوں کے نام پر نذر و نیاز اور قربانیوں کا سلسلہ شروع کر دیا گیا اور عبادت کی کئی رسمیں ایجاد کر لی گئیں -

ہر چیز میں روح کا وجود :

انسانی روح کے عقیدے کے بعد ابتدائی انسان میں حیوانات اور

نباتات کے لیے بھی روح کا اعتقاد پیدا ہو گیا ۔ کیونکہ روح کا مشاہدہ حرکت سے ہوتا ہے اور یہ دونوں بھی حرکت کرتے ہیں ۔ اس کے بعد انسان نے جمادات میں بھی روح کے وجود کا اعتقاد کر لیا کیونکہ انسانی مزاج میں اس خیال کی طرف بڑا میلان پایا جاتا ہے کہ باقی موجودات بھی اس کے مشابہ ہیں ۔ چنانچہ ابتدائی انسان نے تمام مظاہر فطرت ، جیسے چاند ، سورج ، ستاروں ، پہاڑوں اور دریاؤں وغیرہ کے متعلق یہ اعتقاد کر لیا کہ ان سب میں بھی روح موجود ہے ۔ اس اعتقاد کے بعد ان مظاہر کی بھی عبادت شروع ہوگئی ۔ کچھ عرصہ بعد دیوتاؤں کا تصور پیدا ہو گیا اور انسان نے کئی خدا تسلیم کر لیے ۔ پھر آہستہ آہستہ ان کی تعداد گھٹتے گھٹتے ایک تک آ پہنچی ۔

نظریۂ روحیت پر تنقید :

نظریۂ روحیت کے دو بنیادی ارکان ہیں : (۱) انسان میں روح کا تصور خوابوں کے ذریعے پیدا ہوا ۔ (۲) ابتداء میں دنیائے انسانیت لامذہب تھی ، تصور روح کے بعد مذہبی شعور پیدا ہوا ۔

نظریۂ روحیت کا پہلا رکن جزوی طور پر صحیح ہے ، ہو سکتا ہے کہ تصور روح تک بعض افراد کی رسائی خوابوں کے ذریعے ہوئی ۔ ہو مثلاً کسی شخص نے ایسے خواب دیکھے ہوں جن سے روح کے مستقل وجود رکھنے کے خیال کو تقویت پہنچتی ہو ۔ مثال کے طور پر اس نے خواب دیکھا ہو کہ وہ کسی دور دراز جگہ کی سیر کر رہا ہے مگر جب آنکھ کھلی تو اس نے خود کو اسی جگہ پایا جہاں سویا تھا ۔ اس سے اس نے یہ خیال کیا کہ میرے اندر مستقل وجود رکھنے والی دو چیزیں ہیں : ایک جسم جو یہیں رہا ، دوسری روح جو دور دراز جگہ کی سیر کرتی رہی ۔ مگر یہ ایک جزوی مثال ہے ، اس کا سہارا لے کر یہ کلی دعویٰ کردینا کہ ابتدا میں تمام دنیائے انسانیت خوابوں کی مدد سے روح کے تصور تک پہنچی ایک غیر علمی دعویٰ ہے ۔

ویسے غور کیا جائے تو مثال مذکور سے بھی نظریۂ روحیت کی تائید مشکل ہی سے ہوتی ہے کیونکہ ابتدائی انسان کے لیے ایسا خواب دیکھ کر یہ تصور کرنا زیادہ آسان تھا کہ اس میں دور دراز مقامات کو دیکھنے کی طاقت موجود ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ اس پیچیدہ مفہوم کا تصور کرتا کہ اس میں جسم کے علاوہ ایک ایسی شفاف ان دیکھی چیز موجود ہے جو جسم کی طرح اپنا مستقل وجود رکھتی ہے اور سوتے وقت عارضی طور پر جسم سے الگ ہو کر ادھر ادھر سیر کرتی رہتی ہے اور جب وہ مستقل طور پر جسم سے جدا ہو جاتی ہے تو انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے ۔ لیکن وہ لطیف چیز خود کبھی نہیں مرتی ، وہ باقی رہتی ہے اور جہاں چاہتی ہے سیر کرتی رہتی ہے ۔ میں کہتا ہوں ابتدائی انسان ، جسے مذہب کے ارتقائی تصور کے حامی علماء نے وحشت ، جہالت اور کم عقلی کا پیکر اور نیم حیوان شمار کیا ہے ، اس کے متعلق یہ خیال کرنا کہ خوابوں پر غور و فکر کے ذریعے اس نے روح کے اس پیچیدہ فلسفیانہ مفہوم کا اعتقاد کر لیا ہوگا ، درست نہیں قرار دیا جا سکتا ۔ بیشتر خواب بھی نظریۂ روحیت کی نفی کرتے ہیں مثلاً ابتدائی انسان نے خواب دیکھا کہ وہ اپنے کسی دوست سے باتیں کر رہا ہے ، جب بیدار ہوا تو دوست سے اس کا ذکر کیا مگر اس نے جواب دیا مجھے تو کچھ خبر نہیں ، میں نے تو تیرے ساتھ کوئی بات چیت نہیں کی ۔ کیا دوست کا یہ انکار ، روحوں کے رات کو اجتماع کے خیال کی نفی کرنے کے لیے کافی نہیں ؟ آج کل کے انسانوں کی طرح ابتدائی انسان بھی بے شمار ایسے خواب دیکھتے تھے جو خلاف واقعہ ہوتے ۔ کیا ایسے خوابوں کے ہوتے ہوئے نظریۂ روحیت کے لیے کوئی گنجائش نکل سکتی ہے ؟ بلکہ ابتدائی انسان کی سیدھی سادی ذہنیت کے پیش نظر تو زیادہ قرین قیاس یہ بات ہے کہ اس نے ان خوابوں کو اپنے ان پریشان خیالات کی طرح محض ایک وہمی چیز شمار کیا ہوگا جو دن کے وقت بھی اس کے ذہن میں پیدا ہوتے

رہتے ہیں ۔ مثلاً کبھی وہ سوچتا ہے ، اس وقت میرا بھائی میرا فلاں کام کر رہا ہے ، میرا دوست دوسرے شہر کی طرف جا رہا ہے ، میرے بچے کھیل رہے ہیں ، میری بیوی کھانا تیار کر رہی ہے ۔ مگر بعد میں پتا چلتا ہے یہ سب خیالات خلاف واقعہ تھے ۔ اس قسم کے خلاف واقعہ خیالات کے ہوتے ہوئے ابتدائی انسان کے لیے خوابوں کے متعلق بھی یہ قیاس کرلینا زیادہ آسان تھا کہ وہ وہم و خیال ہی ہوتے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ۔

اب آئیے نظریۂ روحیت کے دوسرے رکن کی طرف جس سے مقصود مذہبی شعور کو توہم پرستی کی پیداوار قرار دینا اور ہستیِ اعلیٰ کا انکار کرنا ہے ، وہ ہستیِ اعلیٰ جس نے کائنات کو پیدا کیا ، ذرہ ذرہ جس کے وجود پر شاہد ہے ، انسانی وجدان جس کے ہونے پر گواہ ہے ، لاکھوں ہادیان انسان نے جس کی طرف دنیا کو دعوت دی ، ابتدائی انسانوں کا ہر فرد جس کو مانتا تھا اور اب بھی دنیائے انسانیت کے اربوں افراد جس پر ایمان رکھتے ہیں ۔ میں حامیانِ روحیت کی فکری آزادی کے حق پر کوئی قدغن نہیں لگانا چاہتا ۔ میرے نزدیک آزادی ہر شخص کا پیدائشی حق ہے ، خواہ وہ فکری آزادی ہو یا عملی آزادی مگر اس کے بھی کچھ آداب ہیں ۔ چمکتے ہوئے سورج کا انکار کر دینا فکری آزادی کا اظہار نہیں بلکہ دماغی خلل کا مظاہرہ ہے ۔ یہ حضرات بڑے شوق سے اپنے شک و شبہہ کا اظہار کریں مگر یہ خیال ضرور رکھیں کہ تسلیم شدہ حقائق کے وجود کے متعلق شک و شبہہ کا اظہار اسی وقت معقول قرار پا سکتا ہے جب کہ اس پر ٹھوس دلائل پیش کیے جائیں ۔ خاص طور پر جب ایسی عظیم حقیقت کے وجود کو وہمی قرار دیا جا رہا ہو جس پر ایمان رکھنے والے افراد اربوں کی تعداد میں موجود ہیں ۔ جن میں بڑے بڑے فلسفی ، بلند مرتبہ سائنس دان ، قابل ترین پروفیسر ، مستند علمائے اجتماعیات ، غرض کہ ہر شعبۂ زندگی کے لوگ موجود ہیں ۔ ایسی ہستی کا انکار کرتے وقت

تو بہت ہی قوی دلائل پیش کرنے چاہییں ۔ مگر حامیان روحیت کی حالت یہ ہے کہ جب ان سے پوچھا جائے آپ کے پاس کون سی دلیل ہے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ ابتدائی انسان مذہب سے ناآشنا تھا پھر خوابوں کی مدد سے روح کا اعتقاد کرنے لگا جس سے اس میں مذہبی شعور پیدا ہو گیا تو جواب دیتے ہیں کہ ہم نے قدیم تہذیب کے حامل بعض قبائل کا مطالعہ کیا ہے ، ان کے ہاں ارواح کی پرستش کی جاتی ہے ۔ چونکہ یہ قبائل جدید تہذیب سے ناآشنا ہیں اس لیے ان کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ ابتدائی انسانوں کے افکار و اعمال ان کے ہاں ویسے کے ویسے محفوظ ہیں جن میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ۔ جب کہ مہذب دنیا ، جدید تہذیب سے ہم کنار ہونے کے سبب قدیم تصورات کو چھوڑ بیٹھی ہے ۔ یہ ہے پہاڑ جیسے دعویٰ پر رائی کے دانے سے بھی حقیر دلیل ، جس کے بل بوتے پر ان حضرات نے ایک ایسے عقیدے کا انکار کیا ہے جس کی تائید الہام ربانی اور وجدان انسانی سے ہوتی ہے اور جس کی صداقت پر زبردست عقلی و تاریخی دلائل شاہد ہیں ۔

نظریۂ روحیت کی بنیاد :

ان حضرات نے چند وحشی قبائل کی قدامت کو بنیاد بنا کر نظریۂ روحیت کی عمارت کھڑی کر ڈالی ۔ میں کہتا ہوں کہ ان غیر مہذب قبائل کے متعلق یہ دعویٰ کرنا کہ ان کے افکار و اعمال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور وہ ذہنی ارتقاء سے یکسر محروم رہے ، لہٰذا ان کے تصورات ابتدائی انسانوں کے تصورات ہی ہیں — ایک بے سند اور من گھڑت دعویٰ ہے ؛ کیونکہ وحشی قبائل کے ہاں بھی یقیناً تبدیلیاں ہوئیں اور ذہنی ارتقاء بھی ہوا ، اگرچہ اس کی رفتار مہذب دنیا کی بہ نسبت سست رہی ۔ اگر صنوبر کے ایک جیسے دو پودے ایک ہی وقت میں لگا دیے جائیں اور کچھ عرصہ بعد ایک تو پچاس فٹ لمبا درخت بن جائے اور دوسرا صرف دس فٹ تک بڑھ

سکے تو چھوٹے کے متعلق یہ کہنا تو درست ہوگا کہ اس کے ارتقاء کی رفتار سست رہی مگر یہ کہنا سراسر غلط ہوگا کہ اس میں سرے سے ارتقاء ہوا ہی نہیں ۔ بالکل یہی حال وحشی قبائل کا بھی ہے ۔ ان کے ہاں بھی یقیناً ارتقاء ہوا ہے مگر اس کی رفتار سست رہی ۔ لہٰذا ان کے افکار و اعمال کو دیکھ کر یہ دعویٰ کرنا کہ ان کے قدیم آباء و اجداد بھی انھی افکار و اعمال کے حامل تھے ، لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ ابتدائی انسان مذہبی شعور سے خالی تھے ، ایک طفلانہ دعویٰ ہے ۔ پھر یہ کس قدر ظلم ہے کہ چند غیر مہذب قبائل کا مطالعہ کر کے قبل تاریخ زمانے کی پوری دنیائے انسانیت کے متعلق یہ افسانہ تراش لیا جائے کہ وہ سب پہلے پہل مذہبی شعور سے خالی تھے ، خدا کو نہیں مانتے تھے اور بعد میں خوابوں کے ذریعے انھوں نے مذہبی شعور کا ارتقائی سفر شروع کیا ۔ ویسے جن چند قدیم قبائل کے مطالعہ پر نظریۂ روحیت کی بنیاد رکھی گئی ہے ان کے عمومی حالات سے بھی اس بات کی تائید نہیں ہوتی کہ ان کے نزدیک روح ، جسم کے بغیر اپنا کوئی مستقل وجود رکھتی ہے ۔ بلکہ ان کے ہاں زیادہ واضح یہ بات نظر آتی ہے کہ وہ روح کو جسم کے ساتھ مخلوط حقیقت کے طور پر تسلیم کرتے تھے ، یہ نہیں کہ سوتے وقت جب اس نے چاہا سیر کرنے جسم سے باہر نکل گئی اور جب چاہا واپس آ کر اندر داخل ہو گئی ۔

ارتقائی تصور کے حامیوں کی کوتاہ بینی :

مذہب کے ارتقائی تصور کے حامیوں نے مذہب کی ابتداء کے متعلق چند اور نظریے بھی پیش کیے ہیں ۔ مگر جس طرح نظریۂ طبیعیت و روحیت بے اصل ہیں اسی طرح یہ دوسرے نظریے بھی بے بنیاد ہیں ۔ ان نظریات کی تائید کے لیے جس قسم کے استدلال کا سہارا لیا گیا ہے اس سے ان اندھوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جنھوں نے ہاتھی کی آمد کا سنا تو اس کی طرف چل پڑے تاکہ معلوم کر سکیں کہ وہ کیسا ہوتا ہے ۔ یہ بے چارے

آنکھوں سے تو دیکھ نہ سکتے تھے ، ہاتھوں سے ٹٹولنے لگے - کسی کا ہاتھ کان پر جا لگا ، کسی کا ٹانگ پر اور کسی کا پشت پر - واپس آ کر دوسروں کے سامنے اپنے علم کا مظاہر فرمانے لگے - کان پر ہاتھ لگانے والے نے کہا کہ ہاتھی تو بالکل چھاج کا چھاج ہوتا ہے - پشت پر ہاتھ لگانے والے نے کہا وہ تو جیسے زمین کا فرش ہوتا ہے ، تیسرا بولا وہ تو بالکل ستون ہوتا ہے - کچھ ایسا ہی حال ارتقائی مذہب کے حامیوں کا ہے - ان میں سے بعض نے قدیم تہذیب کے حامل کسی قبیلے کو مظاہر پرستی میں مبتلا پایا تو اعلان کر دیا کہ تمام دنیائے انسانیت کا ابتدائی مذہب مظاہر پرستی ہے - بعض حضرات کو کسی قبیلے میں ارواح پرستی کی جھلک نظر آ گئی تو شور مچا دیا صاحبو ! انسانیت کا ابتدائی مذہب ، ارواح پرستی ہے - چند ایک کی نظر جادوگر قبائل پر پڑ گئی تو انھوں نے جادو کو مذہب کی بنیاد قرار دے دیا - شمالی امریکہ اور آسٹریلیا کے چند قدیم قبائل کے مطالعہ سے ایک گروہ نے یہ فتویٰ دے دیا کہ تمام دنیائے انسانیت کا ابتدائی مذہب طوطمیت[1] ہے - ارتقائی تصور کے حامیوں نے اپنے نظریات کی بنیاد ، قدیم قبائل کے مطالعہ پر رکھی ہے - مگر

۱- طوطم کے معنی ہیں ''بہن بھائی کا رشتہ'' - یہ لفظ قدیم امریکی باشندوں کی زبان سے تعلق رکھتا ہے - طوطمیت (یا ٹوٹمیٹ) اسی لفظ سے ماخوذ ہے - طوطمیت سے مراد وہ معاشرتی نظام ہے جس میں مختلف افراد اور جماعتیں حیوانات ، نباتات اور جمادات میں سے کسی کو اپنا نشان بنا لیتیں اور اس کے متعلق ان کا یہ عقیدہ ہوتا کہ اس سے ان کا بہت مضبوط روحانی رشتہ ہے - جو لوگ کسی ایک چیز کو اپنا طوطم قرار دے لیتے ، اگرچہ نسلی طور پر ان کا مختلف قبیلوں سے تعلق ہوتا ، محض طوطم کی اس نسبت کی وجہ سے ایک دوسرے کو اپنا قریبی سمجھتے ، آپس میں شادی بیاہ اور ہر طرح کا جنسی تعلق حرام تصور کرتے - ایک دوسرے کی امداد کرنا ، دکھ سکھ میں شریک ہونا اور اپنے طوطم کا احترام کرنا ہر ایک پر لازم تھا - حسن -

بڑے دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ ان حضرات نے ایسے چند قبائل کو تو بڑی اہمیت دی جو حقیقت سے بھٹک گئے تھے اور جہالت میں مبتلا ہو کر طرح طرح کے غلط نظریات و رسوم میں پھنس چکے تھے ۔ لیکن ان دسیوں قدیم قبائل پر ان کی نظر نہ پڑھ سکی جو انیسویں صدی کے اختتام تک قدیم تہذیب کے حامل اور صرف ایک خدائے بزرگ و برتر کے پرستار رہے ۔ آخر ان توحید پرست قبائل کے عقائد و اعمال کے پیش نظر توحید کو تمام دنیائے انسانیت کا ابتدائی مذہب کیوں نہ تسلیم کر لیا جائے ، جب کہ اس کی تائید دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب کی طرف سے بھی ہوتی ہے ۔

اصل بات یہ ہے کہ بدقسمتی سے یہ مفکرین دہریہ تھے ، اس لیے اپنی تحقیقات کا تار و پود صرف دہریت ہی کے اردگرد بکھیرتے رہے ۔ میدان تحقیق میں قدم رکھنے سے پہلے ہی ان کے ذہن میں مذہب کی حیثیت خرافات سے زیادہ نہ تھی اور مذہب کا بنیادی عقیدہ یعنی اللہ بزرگ و برتر کی ہستی پر ایمان ان کے نزدیک توہم پرستی کا شاہکار تھا ۔ جب وہ پہلے ہی سے مذہب کو ایک وہمی چیز قرار دے چکے تو ظاہر ہے انھوں نے صرف انھی قدیم قبائل کو اپنی توجہ کے لائق سمجھا تھا جن کے رسم و رواج سے وہ اپنے نظریے کی تائید کا کوئی پہلو نکال سکتے ہوں ۔ توحید پرست قبائل کے افکار و اعمال تو ان کے نظریات کو باطل قرار دے رہے تھے ، اس لیے وہ ایسی چیز کو کیوں اہمیت دیتے جو ان کے مفروضات کی جڑ کاٹ رہی ہو ۔

ان حضرات نے سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے چند قدیم قبائل کا مطالعہ کیا اور انھیں شرک و کثرت پرستی میں مبتلا پا کر یہ اعلان کر دیا کہ انسانیت کا ابتدائی مذہب توحید نہ تھا بلکہ کثرت پرستی تھا ۔ یہ نتیجہ اخذ کرنے میں انھوں نے اس مفروضے کا سہارا لیا کہ چونکہ باقی دنیا

سے کٹا رہنے کے سبب ان قبائل نے کوئی ذہنی ترقی نہیں کی اور ان کے خیالات میں کوئی ارتقاء نہیں ہوا اس لیے ابتدائی انسانوں کے افکار و اعمال ان کے ہاں ویسے کے ویسے محفوظ رہے ۔ ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی حالانکہ تحقیق کی روشنی میں اس مفروضے کو صحیح ثابت نہیں کیا جا سکتا ۔ اس لیے کہ غیر مہذب قبائل کے ہاں ذہنی ترقی کی رفتار کا سست ہونا تو میں بھی مانتا ہوں لیکن یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کہ ان کے ہاں مکمل فکری جمود رہا ہے اور وہ کسی قسم کی فکری و عملی تبدیلی سے دوچار نہیں ہوئے ۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے ہاں بھی یقیناً تغیرات رونما ہوئے ، وقت اور ماحول نے انھیں بھی فکری و عملی تبدیلیوں سے دوچار کیا ۔ ان کی کثرت پرستی انھی تغیرات کا نتیجہ ہے ، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ انسانیت کا سب سے پہلا مذہب توحید تھا ۔ ابتدائی انسان اپنے سچے وجدان و الہام کی رہنمائی میں صرف خدائے واحد پر ایمان رکھتا تھا ۔ پھر جیسے جیسے آبادی میں اضافہ ہوتا گیا لوگ تلاش رزق میں ادھر اُدھر بکھرنے لگے ۔ کسی نے پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا بسیرا کیا ۔ کوئی دور دراز جنگلوں میں نکل گیا ۔ کچھ نے زرخیز میدانوں کو پا لیا اور وہیں مقیم ہو گئے ۔ دور دراز پہاڑوں اور جنگلوں میں بسیرا کرنے والوں کے تعلقات دوسروں سے کٹ گئے کیونکہ راستے بہت دشوار گزار تھے اور آنے جانے کے وسائل مفقود ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں میں معاشرتی ترقی کی رفتار بہت سست رہی اور کے رہن سہن میں تبدیلیاں تو ضرور واقع ہوئیں مگر کم اور وہ بھی دھیمے انداز میں ۔

لیکن میدانی علاقوں میں رہنے والوں کا آپس میں میل جول قائم رہا جس کے نتیجے میں ان کے ہاں معاشرتی ترقی کی رفتار تیز رہی اور ان کی

تہذیب وقت کے ساتھ ساتھ نئی تبدیلیوں کو سرعت سے قبول کرتی رہی ۔ بہرحال دونوں فریقوں کو بیرونی اثرات کے تحت فکری و عملی تبدیلیوں سے دوچار ہونا پڑا ۔ ان تبدیلیوں کے نتیجے میں جہاں انہیں کچھ مزید حقائق کا علم ہوا وہاں کچھ سچائیاں بھی ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئیں ۔ دونوں میں سے کچھ لوگ کثرت پرستی اور دہریت کی گود میں جا گرے اور کچھ کے سینوں میں توحید کی شمع روشن رہی ۔

پھر ہزاروں بلکہ لاکھوں برس بعد جب دونوں فریقوں کے افراد کی آپس میں ملاقات ہوئی تو دونوں نے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھا ۔ ان کے لیے ایک دوسرے کے کئی ایک رسم و رواج اجنبی تھے ۔ وقت نے ان کے درمیان کس قدر فاصلے کھڑے کر دیے تھے حالانکہ دونوں کے ابتدائی مورث ایک ہی تھے ۔ انھی مورثوں کے عقائد اور رسم و رواج کے دونوں امین تھے ۔ دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی توحید کی وجدانی آواز دونوں کا سرمایۂ حیات تھی ۔ دونوں ہی اصل میں مؤحد تھے ، ایک خدا کے ماننے والے ، ایک ہی ہستیِ اعلیٰ کے پرستار ۔ مگر پھر بیرونی اثرات نے انہیں بدلنا شروع کر دیا ۔ رہن سہن میں تبدیلیاں ہوئیں کچھ فائدہ مند ، کچھ نقصان دہ ۔ افکار میں بھی تغیرات پیدا ہوئے ۔ کچھ غلط ، کچھ صحیح ۔ ان دونوں قسموں یعنی قدیم تہذیب کے حامل اور جدید تہذیب کے حامل انسانوں میں کچھ وہ ہیں جن پر بیرونی اثرات اس قدر چھا گئے کہ ان کے دل توحید کی وجدانی آواز سے غافل ہو کر شرک و دہریت میں مبتلا ہو گئے ۔ اور کچھ وہ ہیں جن کا وجدان بیرونی اثرات سے مغلوب نہیں ہونے پایا ۔ ان کے دل نغمۂ توحید سے سرشار ہیں وہ ایک ہی ہستیِ اعلیٰ پر ایمان رکھتے ہیں ، اسی کے پرستار ہیں اور اپنی اپنی بولیوں میں مختلف ناموں سے اسی کی یاد میں محو رہتے ہیں ۔

قدیم قبائل اور توحید[1] :

علمائے اجتماعیات نے قدیم تہذیبوں اور انسانیت کے ابتدائی مذہب کا سراغ لگانے کے لیے قدیم (غیر مہذب) قبائل کا مطالعہ شروع کیا۔ بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی میں غیر مہذب قبائل کی جستجو اور ان کے افکار و اعمال کا علم اپنے نکتۂ عروج تک پہنچ گیا۔ قابل داد ہیں وہ علمائے اجتماعیات جنھوں نے اس راہ میں انتہائی تکالیف برداشت کیں اور امریکہ، افریقہ، آسٹریلیا، جزائر غرب الہند وغیرہ میں بسنے والے قدیم تہذیبوں کے حامل قبائل تک پہنچنے کے لیے جان ہتھیلی پر رکھ کر جنگلوں اور پہاڑوں کے تکلیف دہ اور خطرناک سفر اختیار کیے اور ایسا گراں قدر تاریخی مواد اکٹھا کیا جس نے انسانیت کے علم میں بیش بہا اضافہ کیا۔

انیسویں صدی کی ابتداء میں چند قدیم قبائل کے مطالعے سے بعض علماء نے مذہب کے ارتقائی تصور کی تائید نکالی اور دنیا کے سامنے نظریۂ طبیعیت اور پھر نظریۂ روحیت وغیرہ پیش کیے، مگر جب اس مطالعے نے وسعت اختیار کی اور مختلف ممالک میں بکھرے ہوئے دسیوں قدیم قبائل کے افکار و اعمال سے آگاہی حاصل کی گئی تو یہ حقیقت واضح طور پر معلوم ہو گئی کہ مذہب کا ارتقائی تصور غلط فہمی اور ناقص تحقیق کا نتیجہ ہے

۱۔ اس عنوان کے تحت چند مؤحد قبائل کا ذکر کیا جائے گا مگر یہ بات بتانا ضروری ہے کہ ان قبائل کے مؤحد ہونے کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ یہ ایک ایسی یکتا ماوراء فطرت ہستی اعلیٰ کے قائل تھے جس نے موجودات کو پیدا کیا۔ یہ مطلب نہیں کہ خدائے واحد کے علاوہ یہ کسی اور دیوتا کے قائل نہ تھے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے بعض قبائل اللہ بزرگ و برتر کے ساتھ کئی چھوٹے چھوٹے خداؤں کے بھی قائل تھے جنھیں خدائے یکتا کا ماتحت سمجھتے تھے۔ اسی طرح ہستی اعلیٰ کی صفات کے متعلق بھی ان میں باہم اختلاف تھا۔ تاہم سب کے سب ایک ہی ہستی اعلیٰ پر ایمان رکھنے میں متحد تھے۔ حسن

ورنہ اصل بات یہ ہے کہ انسانیت کا ابتدائی مذہب توحید اور صرف توحید ہے - میں یہاں قدیم تہذیب کے حامل چند ایسے قبائل کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں جو اگرچہ دنیا کے مختلف حصوں سے تعلق رکھتے ہیں مگر سب کے سب ایک ہی ہستیِ اعلیٰ کے ماننے والے ہیں اور اپنی اپنی بولیوں میں اسی کے نام کی مالا جپتے ہیں اور اسی کی یاد سے دل کی دنیا آباد کیے ہوئے ہیں -

★ مشرقی آسٹریلیا کے کرنائی اور کولین قبیلے ہستیِ اعلیٰ کو ''منگم نگانا'' کے نام سے پکارتے ہیں -

★ جنوب مغربی آسٹریلیا کے تین قبیلے کامیلوروائے (Kamiluroi) ، وراڈجوری (Wiradjuri) اور ایاہلائی (Euahlaye) ایک ہی ہستیِ اعلیٰ کے قائل ہیں جسے ''بیامی'' (Biame) کے نام سے پکارتے ہیں - ان قبائل کا عقیدہ ہے کہ بیامی علیم و بصیر ہے - زمین ، آسمان اور پانی کا خالق ہے - ہر چیز کا باعث ایجاد ہے ، اور جو چاہتا ہے کرتا ہے - اسی نے پھول پیدا کیے ، وہی پودے اُگاتا ہے ، وہی بارش برساتا ہے -

★ جنوب مغربی آسٹریلیا کا قبیلہ یوین (Yuin) ہستیِ اعلیٰ کو ''ڈرامالون'' (Darmalon) کے نام سے پکارتا ہے - اس کا عقیدہ یہ ہے کہ ڈرامالون آسمان میں رہتا ہے اور کبھی کبھی زمین پر بھی ظہور فرماتا ہے - مُردوں کی روحیں اسی کی طرف بلند ہوتی ہیں - یہی بارش برساتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے -

★ جنوب مغربی آسٹریلیا کا قبیلہ ولونگا (Wollonga) اور قبیلہ الاورا (Illawarra) ہستیِ اعلیٰ کو ''میریرول'' (Mirirul) کے نام سے پکارتے ہیں اور اسے ہر چیز کا خالق اعتقاد کرتے ہیں -

★ جنوب مغربی آسٹریلیا کا قبیلہ گرنگانی (Gringani) ہستیِ اعلیٰ کو ''کوین - کوین'' (Koen-Koin) کے نام سے پکارتا ہے -

★ قبیلۂ شیپارہ (Chepara) کے ہاں ہستیِ اعلیٰ کا نام ''ممبا'' (Mamba) ہے -

★ قبیلہ واتھی واتھی (Wathi-Wathi) کی بولی میں ہستیِ اعلیٰ کا نام ''تھا تھا پولی'' (Tha-Tha-Puli) ہے -

★ جنوبی آسٹریلیا کا قبیلہ نرینیرہ (Nerrinyere) ہستیِ اعلیٰ کو ''نرنڈیرہ'' (Nurendere) کے نام سے پکارتا ہے -

★ جنوبی آسٹریلیا کے قبیلۂ ''ڈیری'' (Dieri) کے لوگ خدائے برتر کو ''مورا - مرا'' (Mura-Murra) کے نام سے پکارتے ہیں اور اسے ساری کائنات کا خالق اعتقاد کرتے ہیں -

★ جنوب مشرق آسٹریلیا کے قبیلۂ ورامونا (Warramunoa) ، قبیلۂ کائٹش (Kaitish) اور قبیلۂ بنلنگا (Binlinga) خدائے واحد کو ''اٹانٹو'' (Atantu) کے نام سے پکارتے ہیں -

★ سائبیریا کی سموئیڈ قوم کے ہاں ہستیِ اعلیٰ کو ''ٹم'' کے نام سے پکارا جاتا ہے -

★ جزائر انڈمان کے قدیم باشندے ہستیِ اعلیٰ کو پلوگا (Puluga) کے نام سے پکارتے ہیں -

★ جزیرۂ ملاکا کے سمانگ قبیلہ کے ہاں ذات یکتا کو ''کرائی'' کے نام سے پکارا جاتا ہے -

★ بحر اوقیانوس کے جزیرۂ فلور (Flore) کے باشندے ہستیِ اعلیٰ کو ''مری کارین'' (Muri-Karin) کے نام سے پکارتے ہیں -

★ جزیرہ کرساؤ (Karsau) کے باشندے ہستیِ اعلیٰ کو ''ونکاؤ'' (Wonekau) کے نام سے پکارتے ہیں ۔

★ نیوزی لینڈ کے قدیم قبائل کی بولی میں خدائے واحد کا نام ''ہنٹوبوہٹ'' (Hintubuhet) ہے ۔

★ جزائر سالامون کے باشندے ہستیِ اعلیٰ کو ''ٹونوٹانا'' (Tono-tana) کے نام سے پکارتے ہیں ۔

★ جزائر فجی کے باشندوں کے ہاں خدائے واحد کو ''نڈنگو'' (Ndengo) کے نام سے پکارا جاتا ہے ۔

★ مغربی کیرولینا کے جزیرے یاب میں ہستیِ اعلیٰ کو ''یلافاز'' (Yalafaz) کے نام سے پکارا جاتا ہے ۔

★ جزائر مارشل کے جزیرہ میجان اور جزیرہ اولب کے باشندے ہستیِ اعلیٰ کو ''وولب'' (Wulleb) کے نام سے پکارتے ہیں ۔

★ جنوبی افریقہ کا قبیلہ مکالونگ (Makalong) ہستیِ اعلیٰ کو ''کا آنگ'' (Kaang) کے نام سے پکارتا ہے ۔

★ جنوبی افریقہ کے قبیلے ''مساروا'' (Masarwa) کی بولی میں خدائے واحد کو ''تھورا'' (Thora) کہا جاتا ہے ۔

★ افریقی بونوں کے قبیلہ ''نکولا'' (Nukula) اور ''بکو'' (Beko) ہستیِ اعلیٰ کو ''نزامبی'' (Nzambi) کے نام سے پکارتے ہیں ۔

★ افریقہ کے ''واروا'' (Warwa) بونے ہستیِ اعلیٰ کو انڈگرا (Indegra) کے نام سے پکارتے ہیں ۔

★ افریقہ کے گیبون بونے ، خدائے بزرگ و برتر کو ''کاؤم'' کے نام سے پکارتے ہیں -

★ افریقہ کے ہوتنتوت قبائل اللہ پاک کو ''کھوی کھوین'' (Khoi-Khoin) کے نام سے پکارتے ہیں -

★ افریقہ کے بانٹو بساٹسہ (Bantobasatse) کے ہاں ہستیِ اعلیٰ کے لیے ''مولینو'' (Moleno) نام رائج ہے -

★ کانگو کے ''بولاکی'' قبائل اللہ پاک کو ''لیبانزا'' (Libanza) کے نام سے پکارتے ہیں اور اسے ہر چیز کا خالق اعتقاد کرتے ہیں -

★ کینیا کے ''کیوکیو'' قبائل کے ہاں ہستیِ اعلیٰ کو ''نگائی'' (Ngai) کے نام سے پکارا جاتا ہے -

★ قطب شمالی کے اسکیمو قبائل کے ہاں ہستیِ اعلیٰ کو ''سیلا'' یا ''پنگا'' کے نام سے پکارا جاتا ہے -

★ شمالی امریکہ کے ٹلنگیٹ (Tilingit) قبائل خدائے برتر کو ''ٹاہٹ'' (Tahit) کے نام سے پکارتے ہیں -

★ شمالی امریکہ کے ''اہٹ'' (Aht) قبیلے ہستیِ اعلیٰ کو ''کواوٹاہٹ'' (Quawteaht) کے نام سے پکارتے ہیں -

★ کیلیفورنیا کے سرخ ہندیوں کے ہاں ہستیِ اعلیٰ کو ''لاسو'' (Lassu) کے نام سے پکارا جاتا ہے -

★ کیلیفورنیا کے کالیناتھ (Kalinath) کے ہاں خدائے برتر کو ''کموکامچ'' (Kmukamtch) کے نام سے پکارا جاتا ہے -

★ شمالی امریکہ کے سیوکس (Sioux) قبیلے ہستیِ اعلیٰ کو ''واکان'' (Wakan) کے نام سے پکارتے ہیں ۔

★ جنوبی امریکہ کے قبیلہ اروا ک (Aruak) کے ہاں ہستیِ اعلیٰ کو ''اروموم کونڈی'' (Aromumkondi) کے نام سے پکارا جاتا ہے ۔

★ جنوبی امریکہ کے قبیلہ ''ایکاویو'' (Ackawoie) کے ہاں ہستیِ اعلیٰ کو ''ماکونائما'' (Makonaima) کے نام سے پکارا جاتا ہے ۔

★ جنوبی امریکہ کے قبیلہ ''باکیری'' (Bakairi) کے ہاں ہستیِ اعلیٰ کو ''کاموسینی'' (Kamussini) کے نام سے پکارا جاتا ہے ۔

★ جنوبی امریکہ کے قبیلہ ''گیبی'' (Gabbe) اور قبیلہ ''اویاما'' (Oyama) کے ہاں ہستیِ اعلیٰ کو ان تین ناموں سے پکارا جاتا ہے : ٹاموئی ، ٹاموسی اور ٹاموشی (Tamochi-Tamossi-Tamoi) ۔

★ جنوبی امریکہ کے قبیلہ ''منڈروکو'' (Munduruco) کے ہاں ہستیِ اعلیٰ کو ''کارو'' (Karo) کے نام پکارا جاتا ہے ۔

★ جنوبی امریکہ کے قبیلہ ''اپاپو کووا'' (Apapocova) کے ہاں ہستیِ اعلیٰ کو ''نندرفوسو'' (Nanderfucu) کے نام سے پکارا جاتا ہے ۔

★ جنوبی امریکہ کے قبائل ''ابوکان'' (Abucan) ہستیِ اعلیٰ کو ''پلا'' (Pilla) کے نام سے پکارتے ہیں ۔

★ جنوبی امریکہ کی ''یمانا'' (Ymana) قوم کے ہاں ہستیِ اعلیٰ کو ''واٹوا نیوما'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

قدیم تہذیب کے حامل یہ توحید پرست قبائل اگر سب کے سب کسی ایک ہی ملک کے باشندے ہوتے تو ان کے متعلق کہا جا سکتا تھا کہ شاید یہ تمام پہلے پہل مظاہر پرست یا ارواح پرست وغیرہ تھے، پھر ذہنی ارتقاء اور باہمی میل جول نے انھیں مؤحد بنا دیا۔ اس صورت میں ان کی توحید پرستی سے یہ ثابت نہ ہوتا کہ انسانیت کا ابتدائی مذہب توحید ہے۔ لیکن ان قدیم قبائل کا تعلق کسی ایک ہی ملک سے نہیں بلکہ مختلف براعظموں کے مختلف ممالک سے ہے۔ ان میں ایشیائی اور افریقی قبائل بھی شامل ہیں، آسٹریلوی اور امریکی بھی جن کا آپس میں کوئی میل جول نہیں ہوا۔ یہ سب قدیم تہذیب کے حامل ہیں، جدید تہذیب کے افکار نو کی ان تک رسائی نہیں ہوئی۔ پس مختلف ممالک میں بسنے والے قدیم تہذیب کے حامل ان دسیوں قبائل کے توحید پرست ہونے سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ انسانیت کا ابتدائی مذہب صرف توحید تھا جو ہزاروں برس گزرنے کے باوجود ان قبائل کے ہاں محفوظ رہا۔ کیونکہ باقی دنیا سے کٹا ہوا ہونے کے سبب ان کے افکار و اعمال میں بہت کم تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ اور جو تھوڑی بہت ہوئیں بھی تو مذہب کا بنیادی عقیدۂ توحید ان تغیرات کی زد سے محفوظ رہا۔ تاہم وقت اور ماحول کی تبدیلیوں نے ان قبائل میں بھی ہستیِ اعلیٰ کی صفات کے متعلق عجیب عجیب تصورات پیدا کر دیے۔

جن چند قبائل کے رسم و رواج کے مطالعہ سے علمائے اجتماعیات کے ایک گروہ نے ارتقائی مذہب کا نظریہ اخذ کیا وہ قبائل دراصل فکری تبدیلیوں کا شکار ہو کر اپنے اصلی اور قدیم عقیدۂ توحید سے دور ہو چکے تھے۔ پس ان چند قبائل کی مشرکانہ رسوم کو دیکھ کر یہ دعویٰ کر دینا کہ انسانیت

کا ابتدائی مذہب ، مظاہر پرستی یا ارواح پرستی وغیرہ تھا ، بڑی ناانصافی کی بات ہے ۔ آخر قدیم تہذیب کے حامل وہ بہت سے قبائل جو مؤحد ہیں انہیں دیکھ کر کیوں نہیں اقرار کر لیا جاتا کہ تمام عالم انسانیت کا ابتدائی مذہب صرف توحید تھا ۔

خدائے برتر کی ہستی کو وہم کی اختراع قرار دینے والوں نے جب انیسویں صدی کے نصف اول میں چند غیر مہذب قبائل کے مطالعے کے نتیجے میں مذہب کے ارتقائی تصور کا نظریہ پیش کیا اور مظاہر پرستی (طبیعیت) کو انسان کا ابتدائی مذہب قرار دیا تو اسی وقت توحید پرستوں نے ان پر ان کے دلائل کی کمزوریاں واضح کرنی شروع کر دیں جس کے سبب ان کے ایک گروہ نے ارواح پرستی (روحیت) کا سہارا لیا ۔ اسے بھی بے اصل ثابت کر دیا گیا تو کبھی جادو کو اور کبھی اساطیر (پرانے قصے کہانیوں) کو مذہب کی اصل قرار دیا جانے لگا اور کبھی طوطمیت کو انسان کا ابتدائی مذہب ٹھہرایا گیا ۔ بات دراصل یہ تھی کہ ان لوگوں کا ارتقائی مذہب والا نظریہ ایک بے دلیل مفروضہ تھا ، اس لیے اس کی بنیاد پر جو عمارت بھی تعمیر کی گئی خواہ طبیعیت کی تھی یا روحیت کی ، اساطیر کی تھی یا طوطمیت کی محض ریت کا گھروندا ثابت ہوئی ۔ بھلا حق کے مقابلے میں باطل کہاں ٹھہر سکتا ہے ، آخرکار اسے شکست ہی سے ہمکنار ہونا پڑتا ہے ۔ باطل باطل ہی ہوتا ہے ، کوئی ملمع کاری اسے حق کا ہم پلہ نہیں بنا سکتی ۔ شیر کی کھال پہن لینے سے کوئی گیدڑ شیر نہیں بن جاتا ۔ اسی طرح الفاظ کی جادوگری سے کوئی جھوٹ سچ نہیں بن سکتا ۔ کتنی بھی بناوٹ کی جائے آخر جھوٹ کا بھانڈا پھوٹ ہی جاتا ہے ۔ چنانچہ مذہب کے ارتقائی تصور کا اصلی چہرہ بھی بے نقاب ہوکر رہا ۔ یوں تو انیسویں صدی کے نصف آخر ہی میں توحید پرست علماء نے قدیم قبائل کے رسم و رواج کے مطالعے کی روشنی میں منکرین

کے شبہات کا ازالہ شروع کر دیا تھا مگر بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی تو مذہب کے ارتقائی تصور کے ثابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی - اس میں علمائے اجتماعیات کی ایک کثیر تعداد نے دنیا بھر کے قدیم قبائل کو تلاش کرکے ان کے رسم و رواج کے متعلق گرانقدر تاریخی مواد مہیا کیا جس سے مذہب کے ارتقائی تصور کی مرتب کردہ کڑیوں کا سلسلہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی کہ پہلے پہل انسانی دل و دماغ نے جس تصور کو سینے سے لگایا وہ صرف ایک ہستیِ اعلیٰ کے وجود کا توحیدی اعتقاد تھا -

آثار قدیمہ کی شہادت :

قدیم تہذیب کے حامل قبائل میں سے کئی ایک اب ختم ہو چکے ہیں اور جو باقی ہیں انھوں نے ترقی یافتہ دنیا کے میل جول کی وجہ سے جدت اختیار کر لی ہے ، اس لیے اب قدیم قبائل کا براہ راست مطالعہ تو ممکن نہیں رہا لیکن وہ کتابیں محفوظ ہیں جن میں ان قبائل کے افکار و اعمال پوری تفصیل سے درج ہیں -

انسانیت کا ابتدائی مذہب معلوم کرنے کے لیے تاریخی شواہد دو قسم کے ہیں : ایک تو قدیم تہذیب و تمدن کے حامل قبائل ہیں جن کے تحقیقی مطالعے سے معلوم ہو چکا ہے کہ انسان کا ابتدائی مذہب ، توحید تھا - تاریخی شواہد کی یہ قسم بیسویں صدی کے نصف آخر تک تقریباً مٹ چکی ہے -

اب اس کے متعلق براہ راست مزید تحقیق کے دروازے بند ہو چکے ہیں کیوں کہ جب قدیم تہذیب کے حامل قبائل ہی موجود نہیں رہے تو ان سے براہ راست رابطہ کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے - لیکن شواہد کی دوسری قسم ایسی ہے جس پر برسوں سے کام ہو رہا ہے اور مدتوں تک

ہوتا رہے گا ۔ اس سے میری مراد آثار قدیمہ ہیں جن کی کھدائی کا کام بڑے تحقیقی انداز میں دنیا کے مختلف حصوں میں ہو رہا ہے ۔ اب تک اس کھدائی کے نتیجے میں پرانی تہذیبوں کے متعلق اہم انکشافات ہوئے ہیں اور آیندہ بھی ہوتے رہیں گے ۔ زمین کی تہوں میں نہ جانے کتنے ہی شہر اور کتنی ہی تہذیبیں دفن ہیں جو اپنے تک پہنچنے والے جواں ہمت لوگوں کی راہ تک رہی ہیں ۔

آثار قدیمہ کی کھدائی کے نتیجے میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ دجلہ و فرات کی وادیوں میں ہزاروں برس پہلے جو لوگ آباد تھے وہ کثرت پرستی میں مبتلا نہیں تھے بلکہ وہ سب کے سب ایک ہی ہستیِ اعلیٰ کے پرستار تھے ۔ اسی طرح پاکستان میں مہنجو ڈرو کے آثار سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ آریوں کے ورود سے بھی پہلے کی اس بستی میں صرف ایک ہی خدائے یکتا کو پوجا جاتا تھا جسے یہ لوگ اپنی زبان میں ''اون'' کے نام سے پکارتے تھے ۔ دنیا کے مختلف حصوں میں آثار قدیمہ کی کھدائی کا کام جاری ہے جس سے مستقبل میں اس حقیقت پر مزید شواہد ملیں گے کہ دنیائے انسانیت کا ابتدائی اور قدیم ترین مذہب ، توحید اور صرف توحید تھا ؛ مظاہر پرستی یا ارواح پرستی وغیرہ نہ تھا ۔

ناموں کی کثرت :

میں نے گزشتہ صفحات میں جن چند قدیم توحید پرست قبائل کا ذکر کیا ہے ان کے اپنے ناموں کے ذکر کے ساتھ ساتھ ان کے ہاں ہستیِ اعلیٰ کے لیے جو اسماء استعمال ہوتے تھے انھیں بھی ذکر کر دیا ہے تاکہ کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہونے پائے کہ سب مؤحد قبائل کسی ایک ہی نام سے خدائے برتر کو پکارتے تھے ۔

اسماء خداوندی کی اس کثرت کا یہ باعث ہوا کہ عہد قدیم کے لوگ جب اپنی ضرورتوں کے تحت دنیا کے مختلف حصوں میں بکھرنے لگے تو ان کے ہاں نئی نئی زبانیں پیدا ہو گئیں ۔ ان زبانوں کی کثرت کے باعث ہستیِ اعلیٰ کے ناموں میں بھی کثرت پیدا ہو گئی ۔ اس طرح اس ذات یکتا کے لیے دنیائے انسانیت میں بہت سے نام استعمال ہونے لگے ۔ عام طور پر تو ایسا ہوا کہ ایک زبان میں اس ذات یگانہ کے لیے جو نام استعمال ہوتا وہ دوسری میں نہ ہوتا ، دوسری زبان والے کوئی اور لفظ استعمال کرتے لیکن بعض زبانیں ایسی بھی تھیں جن میں کسی ایک میں خدائے برتر کے لیے استعمال ہونے والا نام یکساں طور پر دوسری میں بھی استعمال ہوتا تھا جیسے مغربی آسٹریلیا کے کامیلوروائے ، وراڈ جوری اور ایاہلائی قبیلوں کی زبانیں اگرچہ مختلف تھیں لیکن سب کے ہاں ہستیِ اعلیٰ کو ''بیامی'' ہی کے نام سے پکارا جاتا تھا ۔ یا جیسے آج کل عربی ، اردو ، فارسی ، ترکی وغیرہ زبانوں میں خدائے یگانہ کے لیے لفظ ''اللہ'' کا استعمال یکساں طور پر ہوتا ہے ۔ اس میں کوئی لفظی تصرف نہیں کیا گیا ۔ اور بعض زبانیں ایسی بھی تھیں جن سب میں ایک ہی نام معمولی تبدیلیوں کے ساتھ استعمال ہوتا تھا ۔ جیسے سنسکرت میں آسمانی معبود کو ''دیاؤس'' کے نام سے پکارا جاتا تھا جب کہ قدیم یونانی اس ہستی کو ''زیوس'' کے نام سے پکارتے تھے ۔ یا جیسے آج کل عربی زبان میں ہستیِ اعلیٰ پر لفظ ''اِلٰہ'' اور عبرانی میں ''آلوہ'' کا اطلاق کیا جاتا ہے ۔

پھر اس ہستیِ اعلیٰ کے لیے ہر زبان میں صرف ایک ہی نام رائج نہیں تھا بلکہ کئی زبانیں ایسی بھی تھیں جن میں (کثرت[1] صفات کے

۱۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ بزرگ و برتر کے لیے جس قدر بھی نام استعمال ہوئے ہیں سب کے سب کسی نہ کسی خاص صفت کو پیش نظر رکھتے ہوئے وضع کیے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

لحاظ سے) اس کے لیے کئی نام استعمال ہوتے تھے جس طرح آج کل اردو زبان میں اس ذات یکتا کو ''اللہ'' ، ''رحمان'' ، ''خدا'' ، ''پروردگار'' اور ''رب'' وغیرہ کئی ناموں سے پکارا جاتا ہے ۔

کچھ لوگ اسماء کی اس طرح کی کثرت کے باعث اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ ان مختلف اسماء کے مسمی بھی مختلف ہیں ۔ اس طرح شرک کا دروازہ کھل گیا اور کئی خدا فرض کر لیے گئے حالانکہ بات صرف اتنی تھی کہ خدائے یکتا کے لیے مختلف نام استعمال ہو رہے تھے ؛ خدا مختلف نہ تھے ، مگر ان مختلف ناموں سے مختلف خداؤں کا تصور پیدا کر لیا گیا ۔ جیسے ''برہما'' ، ''وشنو'' اور ''شیو'' کے بارے میں یہ خیال کر لیا گیا کہ یہ تین خدا ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک ہی ہستیِ اعلیٰ کو خالق ہونے کے اعتبار سے ''برہما'' ، نگہبان ہونے کے اعتبار سے ''وشنو'' اور قہار و جبار ہونے کے اعتبار سے ''شیو'' کہا گیا ہے ۔ یہ تینوں نام مختلف ہستیوں کے نہیں بلکہ ایک ہی ہستیِ اعلیٰ کے ہیں جس نے کائنات کو پیدا کیا ۔

قدیم مصریوں کا مذہب :

اسی طرح ہزاروں برس پہلے کے مصری باشندوں کے ہاں بھی توحید

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

گئے ہیں ۔ اس لحاظ سے ہر نام ''صفاتی'' ہے ۔ لیکن ان اسماء میں سے کچھ نام ایسے ہوتے ہیں جن کا اصل لغوی معنی زیادہ واضح ہوتا ہے اور ان کے استعمال کے وقت بسا اوقات ذہن میں اس اصلی معنی کا تصور بھی آ جاتا ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن پر اسمیت اس قدر غالب ہوتی ہے کہ ان کے استعمال کے وقت اصل لغوی معنی کا تصور غائب رہتا ہے ۔ پہلی قسم کے اسماء کو صفاتی اور دوسری قسم کے اسماء کو ذاتی کہا جاتا ہے ۔ یاد رکھیے ذاتی کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ سرے سے کسی صفت پر دلالت ہی نہیں کرتا ۔

حسن

ہی کا دور دورہ تھا ۔ وہ خدائے واحد کو ''اوسیریز'' کے نام سے پکارتے تھے اور اسے ان صفات سے متصف اعتقاد کرتے تھے ''معبود اعظم ، خیر ، ازلی بادشاہ ، آخرت کا مالک'' ۔ لیکن ان کے ہاں ہستیِ اعلیٰ کا صرف یہی ایک نام نہ تھا بلکہ اور نام بھی مستعمل تھے ۔ وہ اس ذات یگانہ کو الہ شمس ہونے کی حیثیت سے ''رع'' کے نام سے پکارتے تھے ، خالق ہونے کی حیثیت سے ''خنوم'' کے نام سے اور علیم و حکیم ہونے کی حیثیت سے ''تھوت'' کے نام سے پکارتے تھے ۔ یہ چاروں نام مختلف معبودوں کے نام نہیں تھے (جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہو گیا ہے) بلکہ ایک ہی خدائے بزرگ و برتر کے مختلف اسماء تھے ۔ بہرحال آثارِ قدیمہ کی شہادت اور قدیم تہذیب کے حامل قبائل کی گواہی سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ انسان کی قدیم ترین حالت گمراہی کی نہیں بلکہ ہدایت کی تھی ۔ اس نے اپنی فطرت کے وجدانی احساس سے ہستیِ اعلیٰ پر ایمان لا کر ہدایت کی روشنی کو پا لیا تھا اور اس طرح کفر و شرک کے اندھیروں میں کھو جانے سے محفوظ رہا ۔ لیکن پھر ایسا ہوا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کئی لوگ خارجی اثرات کے تحت وجدان کی توحیدی آواز نہ سن سکے اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے ۔

ارتقاء :

مذہب کے ارتقائی تصور کے حامیوں کا کہنا ہے کہ مذہب کی ابتدا قدیم انسانوں کی توہم پرستی سے ہوئی ۔ پھر انسانی ذہن کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ مذہبی افکار میں کانٹ چھانٹ کا عمل جاری رہا ۔ پہلے تو یہ حالت تھی کہ دنیائے انسانیت نے بہت سے خدا بنا لیے تھے ، لیکن آہستہ آہستہ ان کی تعداد کم ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ ایک ہستیِ اعلیٰ کا عقیدہ پیدا ہو گیا جو سلسلۂ ارتقاء کی ایک اہم کڑی ہے ۔ جس طرح قدیم دور کی مظاہر پرستی ، ارواح پرستی ، بہت سے خداؤں کا عقیدہ اور دوسرے وہمی

تصورات غلط تھے اسی طرح توحید کا عقیدہ بھی وہم کا گھڑا ہوا ایک غلط تصور ہے - یہ ہے ارتقائی تصور کے حامیوں کا مذہب کے متعلق نقطۂ نظر - جہاں تک نظامِ کائنات میں قانون ارتقاء کے پائے جانے کا تعلق ہے اس کا کوئی بھی منکر نہیں - زمین[1] میں جب بیج بویا جاتا ہے تو کچھ دنوں بعد ایک نرم و نازک کونپل نکلتی ہے ، چند دنوں بعد وہ ایک لچک دار شاخ بن جاتی ہے ، کچھ عرصے بعد یہ شاخ مضبوط تنے کی شکل اختیار کرنے لگتی ہے ، اس کے ساتھ ٹہنیاں اور پتے لگ جاتے ہیں - یہ سب بیج کے ایک دانے کا ارتقائی سفر ہے جو مختلف کڑیوں پر مشتمل ہے - کونپل ہونا ایک کڑی ہے اور لچک دار شاخ ہونا دوسری کڑی ہے - اسی طرح جب انسان پیدا ہوتا ہے تو وہ ایک معصوم و انجان بچہ ہوتا ہے - پھر وہ آہستہ آہستہ بڑھنے لگتا ہے - کچھ سالوں بعد ایک جوان بن جاتا ہے - یہ ارتقائی سفر بھی کئی درجوں اور کڑیوں پر مشتمل ہوتا ہے -

جسم انسانی کی طرح ذہن انسانی میں بھی ارتقاء ہوتا ہے - بچپن میں ذہن کی صلاحیت بہت کم ہوتی ہے ، وہ صرف عام فہم اور موٹی موٹی باتیں سمجھ سکتا ہے - بہت سی چیزوں کے متعلق اس کے تصورات غلط ہوتے ہیں - پھر عمر کے ساتھ ساتھ ذہن بھی ارتقائی درجے طے کرنے لگتا ہے ، اس کی صلاحیت بڑھنے لگتی ہے اور آہستہ آہستہ غلط تصورات ختم ہونے لگتے ہیں اور ان کی جگہ صحیح تصورات پیدا ہونے لگتے ہیں -

جس طرح ایک فرد کے ذہن میں ارتقاء کی مختلف کڑیاں پیدا ہوتی

۱- طبعی ارتقاء کی یہ مثال صرف وضاحت کے لیے پیش کی گئی ہے ورنہ بنیادی طور پر یہاں صرف ذہنی ارتقاء کا بیان مقصود ہے کیونکہ مذہب کے ارتقائی تصور کے حامیوں نے جس ارتقاء کا ذکر کیا ہے اس سے مراد صرف ذہنی ارتقاء ہے - حسن

ہیں اور وہ گھٹیا حالت سے بڑھیا حالت کی طرف قدم بڑھاتا ہے ، اسی طرح قوموں کا اجتماعی ذہن بھی قانون ارتقاء کے مطابق ادنٰی حالت سے اعلٰی کی طرف ترقی کرتا ہے لیکن اس ترقی کے دوران یہ ضروری نہیں کہ تمام افراد کا ذہن یکساں رفتار سے آگے بڑھ رہا ہو ۔ ہوتا یوں ہے کہ بعض افراد بہت اونچی سطح کو چھونے لگتے ہیں ، کچھ ان سے پیچھے رہ جاتے ہیں ، بعض اپنی ابتدائی حالت سے آگے نہیں بڑھ سکتے اور چند ایک ایسے ہوتے ہیں جو اپنی پہلی سطح سے بھی نیچے گر جاتے ہیں ۔

کسی زمین میں ایک ہی قسم کا بیج بو دیجیے پھر کچھ عرصے بعد پودوں کو دیکھیے کوئی بڑا ہوگا اور کوئی چھوٹا ، یہ کیوں ہوا ؟ اس لیے کہ سب کے طبعی حالات یکساں نہ تھے ، سب کو ایک جیسی غذا نہ مل سکی ، سب یکساں طور پر بے روک ٹوک آگے نہ بڑھ سکے ۔ ان میں سے بعض کو رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا اور کچھ رکاوٹوں سے محفوظ رہے ۔ اگر سب کے حالات پوری طرح ایک جیسے ہوتے تو ان کے بڑھنے کی رفتار بھی ایک جیسی ہوتی ۔ یہی حال انسانی معاشرے کا بھی ہے ۔ اس کے افراد گھڑیوں کی سوئیوں کی طرح یکساں رفتار سے آگے نہیں بڑھتے بلکہ پودوں کی طرح مختلف رفتار رکھتے ہیں ۔ آج تک کوئی ایسا دور نہیں گزرا جس میں انسانی معاشرہ کے تمام افراد کو مکمل طور پر ایک جیسے حالات میسر رہے ہوں ۔ اسی لیے بعض آگے نکل جاتے ہیں ، بعض پیچھے رہ جاتے ہیں بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس طرح بعض پودے تھوڑا سا بڑھنے کے بعد کسی آفت کے پیش آ جانے کے سبب جل جاتے ہیں ، اسی طرح بعض انسانی افراد بھی مختلف عوارض کے باعث اپنی پہلی ذہنی سطح سے گر جاتے ہیں ۔

جس طرح ایک قوم کے مختلف افراد الگ الگ حالات رکھتے ہیں اسی طرح مختلف اقوام بھی الگ الگ حالات رکھتی ہیں جس کے نتیجے

میں ان کے ارتقاء کی رفتار مختلف ہو جاتی ہے ۔ کوئی قوم زندگی کے ارتقائی سفر میں آگے نکل جاتی ہے اور کوئی پیچھے رہ جاتی ہے ۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ترقی یافتہ قوم آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے ہٹنے لگے اور ارتقاء کی بجائے تنزل کا شکار ہو جائے ۔ تاریخ شاہد ہے کہ جو قومیں عام انسانی آبادیوں سے کٹ کر دور دراز جنگلوں یا پہاڑوں میں جا ٹھہریں ، ان کے ہاں ترقی کی بجائے تنزل ہوا ، بلندی ختم ہو گئی اور پستی نے ڈیرہ جما لیا ، تہذیب کی بجائے جنگلی پن کا دور دورہ ہو گیا ۔ جس طرح کسی پودے کو پانی نہ ملے تو اس کا ارتقاء رک جاتا ہے ، ایک فرد کو جاہلانہ ماحول گھیر لے تو اس کی ذہنی بالیدگی رک جاتی ہے ۔ اسی طرح ناسازگار حالات میں قومیں بھی ذہنی ترقی سے محروم ہو کر تنزل کا شکار ہو جاتی ہیں ۔

لیکن جن قوموں کو پس ماندہ کہا جاتا ہے ان کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ زندگی کے ہر شعبے میں تنزل کا شکار ہوں اور ان کا ہر فرد پستی میں مبتلا ہو ۔ اسی طرح جن قوموں کو ترقی یافتہ کہا جاتا ہے ان کے لیے بھی یہ ضروری نہیں کہ انھوں نے ہمہ پہلو ترقی کر لی ہو ، ان کا ہر فرد ترقی یافتہ ہو اور علم کے ہر شعبے میں ان کی معلومات بیش بہا ہوں ۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ انھوں نے اپنے ذہن کو کسی ایک شعبۂ علم کی طرف بہت زیادہ لگا دیا ہو اور دوسرے سے توجہ پھیر لی ہو جس کے سبب دوسرے کے متعلق ان کی معلومات بڑھنے کی بجائے گھٹ گئی ہوں ۔

کون نہیں جانتا کہ جو لوگ چند علوم حاصل کرنے کے بعد کسی ایک ہی علم کے ہو کر رہ جاتے ہیں دوسرے علوم کے متعلق ان کی معلومات میں اضافہ کی بجائے کمی ہو جاتی ہے ۔ یہی حال قوموں کے اجتماعی ذہنی رجحان کا بھی ہے ۔ حاصل یہ کہ کسی ترقی یافتہ قوم اور

اس کے تمام افراد کے متعلق ہمہ پہلو ترقی کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا ۔ ہاں مجموعی طور پر کسی ایک قوم ہی کیا بلکہ تمام عالم انسانیت کے متعلق پورے یقین سے ترقی کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے اور آئندہ اس ترقی کا دائرہ زیادہ سے زیادہ اقوام و افراد تک پھیلتا چلا جائے گا ۔

اب آئیے مذہب کے ارتقاء کی طرف ۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ مذہبی تصورات میں ارتقاء ہوا ہے جو چار واضح صورتوں میں نمودار ہوا : (۱) قدیم انسانوں نے اپنے فطری وجدان کے ذریعے ہستیِ اعلیٰ کا ادراک تو کر لیا مگر وہ اس کی بہت سی صفات تک رسائی حاصل نہ کر سکے ۔ جب ذہنی ارتقاء ہوا تو اس کے ساتھ ساتھ انھیں ہستیِ اعلیٰ کی بعض وہ صفات بھی معلوم ہونے لگیں جو پہلے معلوم نہ تھیں ۔ (۲) قدیم انسان ، ہستیِ اعلیٰ کی صفات کے سلسلے میں بعض غلط تصورات میں گھر گئے تھے ۔ ذہنی ارتقاء کے ساتھ ساتھ غلط تصورات ایک ایک کر کے ان کے دل و دماغ سے مٹنے لگے اور حق کا اصلی چہرہ جلوہ افروز ہونے لگا ۔ (۳) جب انسانی آبادی میں اضافہ ہوا تو معاشی ضرورتوں کی وسعت کے سبب بعض افراد و اقوام کی وجدانی آواز دب گئی ، وہ دہریت کا شکار ہو گئے اور ہستیِ اعلیٰ پر ان کا ایمان نہ رہا ۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کا ذہن ترقی کرتا گیا اور آہستہ آہستہ وہ عقل و خرد کی مدد سے ہستیِ اعلیٰ پر ایمان لانے لگے ۔ (۴) آبادی میں اضافے کے سبب لوگ ادھر ادھر بکھرنے لگے ۔ کچھ عرصے بعد اُن کے عقائد میں صحیح کے ساتھ غلط کی ملاوٹ ہونے لگی اور وہ ایک خدا کی بجائے کئی خداؤں کے قائل ہو گئے ۔ (اس کا سبب خواہ مظاہر فطرت کا تنوع تھا یا ان مظاہر کی دہشت یا کوئی اور) ۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب ذہن میں جہالت کے اندھیرے کی بجائے علم کی روشنی جگمگانے لگی تو یہ لوگ شرک سے منہ موڑ کر توحید کے دامن میں پناہ لینے لگے ۔ لہٰذا آج جو اقوام توحید کی قائل ہیں

یہ ضروری نہیں کہ وہ سب کی سب ہمیشہ سے توحید پرست چلی آ رہی ہوں - بہت ممکن ہے کہ عہد قدیم کے کسی دور میں ان میں سے بعض تو توحید پرست رہی ہوں لیکن اسی دور میں کچھ دوسری قومیں مظاہر پرست یا ارواح پرست یا دو تین خداؤں کی قائل بن گئی ہوں - اسی طرح آج جو قومیں دہریہ ہیں ، ہو سکتا ہے کہ کسی گزشتہ دور میں ان میں سے بعض تو دہریہ ہی ہوں مگر اسی دور میں بعض دوسری ، توحید پرست ہوں ، پھر دہریت میں مبتلا ہو گئی ہوں - یہ نظریاتی اتحاد و اختلاف ـــ کہ جو قومیں ایک دور میں ایک ہی راہ پر چل رہی تھیں دوسرے دور میں ان کی راہیں بدل گئیں ، یا جن کے راستے کسی دور میں الگ تھے دوسرے دور میں وہ ایک راہ پر چل پڑیں ـــ اس وجہ سے ہوا کہ دنیائے انسانیت کا ذہنی ارتقاء ہر جگہ یکساں رفتار سے نہیں ہوا ، بلکہ ایک ہی دور میں مختلف جگہوں پر ارتقاء کے مختلف مراحل رہے ہیں - جس طرح خود رو پودوں میں بظاہر ایک بے ترتیبی سی پائی جاتی ہے ، کوئی بڑا ہوتا ہے ، کوئی چھوٹا ، کوئی چند فٹ کے فاصلے پر ہوتا ہے کوئی چند گز کے فاصلے پر - یہی حال ذہنی ارتقاء کا بھی رہا ہے - کہیں کوئی قوم توحید کی پرستار ہے اور کہیں کوئی دہریت کو اختیار کیے ہوئے ہے - کوئی شرک میں مبتلا ہے اور کوئی مظاہر پرستی میں - پھر بعض قومیں شرک اور مظاہر پرستی سے نکل کر توحید کی روشنی تک پہنچ گئیں - اور کچھ توحید کو چھوڑ کر شرک اور دہریت میں مبتلا ہو گئیں - اس طرح کئی صورتیں پیدا ہو گئیں - پس یہ کہنا کہ کسی ارتقائی مرحلے میں ساری کی ساری دنیائے انسانیت مظاہر پرست ، یا ارواح پرست ، یا طوطم پرست ، یا اجداد پرست یا بت پرست تھی ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی سند نہیں - ہاں یہ ہوا ہے کہ بعض اقوام کسی دور میں ہستیِ اعلیٰ کے وجدانی عقیدے سے غافل ہو کر مظاہر پرستی وغیرہ میں مبتلا ہو گئیں اور پھر

کئی ارتقائی کڑیاں طے کر کے دوبارہ توحید تک آ پہنچیں ۔ اور آئندہ بھی جب تک دنیائے انسانیت پوری طرح ذہنی بلندیوں کو چھو نہیں لیتی کتنی ہی اقوام میں ایمان کے بعد انکار اور انکار کے بعد ایمان کی آنکھ مچولی جاری رہے گی ۔ کیونکہ کبھی تو مادی ضرورتوں کا غلبہ ، وجدان اور فکر صحیح کو دبا کر گمراہی کا اندھیرا پھیلا دے گا اور جب کبھی مادیت کا دباؤ کچھ کم ہوگا تو عقل و وجدان کی ہدایت دل و دماغ میں ایمان کی شمع روشن کر دے گی ۔ یہ تھی مذہبی تصورات میں ارتقاء کی حقیقت ۔ لیکن منکرین مذہب نے مذہبی ارتقاء کی جو خیالی عمارت تعمیر کی اس کے لیے اس غلط مفروضے کو بنیاد بنایا کہ انسان کی پہلی راہ گمراہی کی تھی ۔ ان حضرات نے اعلان کیا کہ ''پہلے پہل انسان نے جس نظریے کو اختیار کیا وہ روحیت یا طبیعیت وغیرہ تھا ۔ پھر ارتقاء کے نتیجے میں کئی خداؤں کا تصور پیدا ہوا اور بعد میں ایک ہستیِ اعلیٰ کا عقیدہ ظاہر ہوا ۔ مگر جس طرح سلسلۂ ارتقاء کی پہلی کڑیاں یعنی طبیعیت ، روحیت اور طوطمیت وغیرہ وہمی تصورات ہیں ، اسی طرح سلسلۂ ارتقاء کی بعد والی کڑی یعنی نظریۂ توحید بھی ایک وہمی تصور ہے ۔''

انسان کی پہلی راہ ہدایت کی تھی :

میں کہتا ہوں کہ یہ بنیاد غلط ہے اور اس پر تعمیر ہونے والی عمارت بھی غلط ، کیونکہ انسان کی پہلی راہ گمراہی کی نہیں بلکہ ہدایت کی تھی ۔ ابتدائی انسان نے اپنے وجدان کے ذریعے ہستیِ اعلیٰ کا ادراک کر لیا تھا مگر پھر معاشی ضرورتوں کے دباؤ کے نتیجے میں بعض لوگ وجدان کی ہدایت سے محروم ہو گئے لیکن پھر ذہنی ارتقاء کے نتیجے میں کتنی ہی ارتقائی کڑیاں طے کرنے کے بعد عقلی و برہانی طور پر اسی حقیقت اعلیٰ تک پہنچ گئے جس تک ابتداء میں وجدان کے ذریعے رسائی حاصل

کی تھی - یہ درست ہے کہ اس سلسلۂ ارتقاء کی بعض کڑیاں جیسے طبیعیت ، روحیت اور طوطمیت وغیرہ توہم پرستی پر مبنی تھیں مگر ان ارتقائی کڑیوں کے وہم کی اختراع ہونے سے یہ کیسے لازم آ سکتا ہے کہ اس سلسلے کی بعد والی کڑی یعنی نظریۂ توحید بھی وہم کی اختراع ہو - یہ حضرات اس حقیقت کو کیوں بھول جاتے ہیں کہ بتدریج کسی سچائی تک پہنچنا اس کی واقعیت کی نفی نہیں کرتا - آج کتنے ہی ایسے قیمتی علوم موجود ہیں جن کی ابتدا توہم پرستی سے ہوئی مگر فطرت کے قانون ارتقاء کے ذریعے آہستہ آہستہ اوہام و خرافات کے بادل چھٹ گئے اور سچائی کی روشنی نکھر آئی - علم کیمیا کو دیکھیے اس کی ابتداء آب حیات کی تیاری کی کوششوں سے ہوئی - آب حیات تو نہ بن سکا مگر اس توہم کے نتیجے میں علم کیمیا دریافت کر لیا گیا - اسی طرح علم تاریخ ان اوہام و خرافات اور جھوٹے سچے قصے کہانیوں کی ارتقائی شکل ہے جن سے عہد قدیم کے لوگ اپنے گزشتہ دور کو محفوظ رکھنے کی کوشش کیا کرتے تھے - علم ہیئت کلدانیوں کی ستارہ پرستی کے نتیجے میں پیدا ہوا - اگرچہ ان علوم کی ابتدائی کڑیاں توہم پرستی کی بنیاد پر استوار ہوئیں مگر کوئی بھی ان علوم کو وہمی اور غیر معتبر قرار نہیں دیتا - اسی طرح اگر بعض اقوام میں مذہب کی ابتداء توہم پرستی سے ہوئی ہے تو اس کی بنا پر عقیدۂ توحید کو کس طرح وہمی اور غیر معتبر قرار دیا جا سکتا ہے -

آپ ایک ایسے شہر کا تصور کیجیے جس کی راہ میں ایک بھول بھلیاں قسم کا جنگل واقع ہے - اس جنگل میں کئی پگڈنڈیاں ہیں لیکن منزل تک پہنچانے والی صرف ایک ہی پگڈنڈی ہے - لوگ اس شہر تک پہنچنا چاہتے ہیں ، رہبر نے انھیں صحیح راستے کے متعلق ہدایات دے رکھی ہیں مگر بعض لوگ ان ہدایات کو بھلا بیٹھے اور کچھ نے یاد رکھا - جو رہبر کی ہدایات سے غافل نہ ہوئے وہ آسانی سے سیدھی راہ پہچان کر منزل تک

پہنچ جائیں گے مگر جنھوں نے رہبر کی ہدایات کو بھلا دیا وہ جنگل میں سرگردان رہیں گے ۔ کبھی ایک پگڈنڈی پر چلیں گے کبھی دوسری پر ۔ اسی سرگردانی میں کئی ایک محرومی کی موت مر جائیں گے اور کچھ بڑی سرگردانیوں کے بعد سیدھی راہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو کر منزل تک رسائی حاصل کر لیں گے ۔ مگر کیا کوئی مدعی علم ، منزل کو پا لینے والے ان افراد کے متعلق یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ چونکہ وہ پہلے غلط راہوں پر چلتے رہے لہٰذا اب بھی غلط کار ہی ہیں ۔

جن لوگوں نے معاشی ضرورتوں کو وجدانی نور پر غالب نہ ہونے دیا ، وجدانی آواز کو یاد رکھا اور باطن کی ہدایات پر کار بند رہے انھوں نے توحید کی سیدھی راہ پر چل کر منزل عرفان کو پا لیا ۔ مگر جن کی وجدانی آواز دب گئی اور باطنی ہدایات بھلا بیٹھے وہ ادھر ادھر بھٹکتے رہے ۔ کبھی ایک راہ اختیار کی کبھی دوسری ۔ اسی سرگردانی میں نہ جانے کتنی ہی اقوام کی کس قدر نسلیں گمراہی کے اژدھا کا لقمۂ تر بن گئیں ۔ لیکن کچھ ادھر ادھر کی ٹھوکریں کھانے کے بعد صحیح راہ پر پہنچ گئیں ۔ منکرین مذہب سے میں پوچھتا ہوں یہ کون سی علمی خدمت ہے کہ ابتدائی کڑیوں کی گمراہی کا سہارا لیتے ہوئے سلسلۂ ارتقاء کی ہر کڑی کو گمراہی قرار دے دیا جائے اور ہستیِ اعلیٰ پر ایمان کو وہم کی تخلیق ٹھہرا دیا جائے ۔

آج کل بعض لوگوں کو یہ مرض لاحق ہو گیا ہے کہ جدت کے شوق میں ہر مذہبی قدر کا بے دھڑک انکار کر دیتے ہیں ۔ وہ خود کو نئے دور کا نمائندہ سمجھتے ہیں اور اپنے متعلق یہ دعویٰ رکھتے ہیں کہ وہ بیسویں صدی کے ارتقائی ذہن کے مالک ہیں اس لیے وہ ''پرانے اور فرسودہ'' نظریات کے قائل نہیں ہو سکتے ۔ ہستیِ اعلیٰ کا عقیدہ ان کے نزدیک پرانے لوگوں کے توہم پرست ذہن کی تخلیق ہے اس لیے ان کا بیسویں صدی

کا ذہن اسے قبول نہیں کر سکتا ۔ میں کہتا ہوں اے منکرین ! افسوس ہے تمہاری عقل پر اور صد حیف تمہارے علم پر ۔ تم نے ارتقاء کا یہ مطلب کہاں سے لے لیا کہ ماضی کی ہر بات کو رد کر دیا جائے ۔ بھلا جو سچی اور واقعی باتیں ماضی میں منکشف ہو چکی ہیں ذہنی ارتقاء کے باعث ان کی واقعیت کیسے ختم ہو سکتی ہے ۔ ماضی کے پرانے لوگوں کے ہاں بھی دو جمع دو کا حاصل چار ہوتا تھا اور آج بھی چار ہی ہے ۔ لیکن کیا کوئی عقل مند یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ حاصل پرانے دور کے لوگوں کے نزدیک تھا ۔ بیسویں صدی کا ارتقائی ذہن اسے قبول نہیں کر سکتا ۔

جب ایسا نہیں تو پھر اسی طرح پرانے لوگ بھی توحید کے پرستار تھے اور آج بھی بہت سے توحید ہی کے پرستار ہیں ۔ جس طرح ذہنی ارتقاء کا سہارا لے کر یہ کہنا غلط ہے کہ اب دو جمع دو چار نہیں ہوتے اسی طرح ہستیِ اعلیٰ پر ایمان کو ''فرسودہ'' قرار دینا بھی انتہائی ناروا حرکت ہے ۔ جہاں تک ہستیِ اعلیٰ کی صفات کا تعلق ہے ان کے بارے میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ذہنی ارتقاء کے ساتھ ساتھ ان کے متعلق نظریات تبدیل ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے ۔ کیونکہ ذات مطلق ایک ان دیکھی اور غیر محسوس ہستی ہے جبکہ انسان کی حالت یہ ہے کہ وہ محسوسات کے ساتھ بہت مانوس ہے اس لیے جب وہ ذات مطلق کا تفصیلی ادراک حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس وقت اس کے تصور میں وہی صفات آتی ہیں جن سے اس کے حواس مانوس ہیں ۔ اس صورت حال کے نتیجے میں کئی لوگوں نے خدائے برتر کے لیے اپنے جیسے شکل و شباہت کا قول کیا اور اسے اپنے جیسی صفات سے متصف قرار دیا مگر پھر جیسے جیسے ذہن ترقی کرتا گیا نظریات میں درستی اور شائستگی پیدا ہوتی گئی اور اس ذات مطلق کے متعلق انسانی ذہن تشبیہ (یعنی ہستیِ اعلیٰ کو اپنے جیسی صفات والا سمجھنا) و تجسیم (خدا کے لیے جسم

ثابت کرنا) کی بجائے تنزیہ (خدا کو ان سب باتوں سے بلند و برتر تصور کرنا) کی طرف بڑھنے لگا۔ ایک ان دیکھی ذات کی صفات کے بارے میں لوگوں کا مختلف خیالات رکھنا کوئی بعید بات نہیں جبکہ سورج جیسی ظاہر و باہر چیز کے متعلق لوگوں میں طرح طرح کے اختلافات رہے۔ کبھی تو زمین سے اس کے فاصلے کے بارے میں اختلاف ہوا۔ کبھی اس کی حرکت و سکون زیر بحث رہے۔ مدتوں تک لوگ یہ سمجھتے رہے کہ سورج زمین کے گرد گھومتا رہتا ہے۔ اسی طرح اس بات میں بھی اختلاف رہا کہ اس کی گردش گول ہے یا دولابی۔ پھر وہ دور بھی آیا جب سورج کی گردش والے خیال سے اختلاف کرتے ہوئے یہ ثابت کیا گیا کہ سورج زمین کے گرد نہیں گھومتا بلکہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔ سورج تو اپنے مرکز سے جدا ہی نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس بارے میں بھی مختلف آرا ملتی ہیں کہ سورج کس چیز سے بنا ہے۔ ذرا غور کیجیے! آنکھوں سے نظر آنے والے سورج جیسی ظاہر و باہر چیز کے بارے میں کس قدر اختلاف رہے ہیں۔ جب انہیں بہانہ بنا کر کسی نے سورج کی واقعیت کا انکار نہیں کیا اور اسے وہمی چیز نہیں ٹھہرایا تو عقل و وجدان سے معلوم ہونے والی ذات برتر کو، اس کی صفات میں اختلاف آراء کے سبب، کس طرح غیر واقعی اور وہمی چیز قرار دیا جا سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آج کل دہریت، دلائل و براہین کے پیش نظر نہیں بلکہ بطور فیشن اختیار کی جا رہی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ موجودہ دور میں چند بڑی طاقتیں دہریت کی مبلغ ہیں۔ ان کی شان و شوکت کو دیکھ کر کئی لوگ ذہنی مرعوبیت کا شکار ہو کر شوقیہ طور پر دہریت کو اختیار کر رہے ہیں۔ نہ انہیں انسانی تاریخ کا علم ہے، نہ اقرار و انکار کے عقلی دلائل سے سروکار ہے۔ وہ تو بس اپنے اوپر ''نئی دنیا'' کا لیبل لگانے کے شوق میں ہر اس عقیدے کو بے سوچے سمجھے رد کر دیتے ہیں جو دہریہ

طاقتوں کی طرف سے ''دقیانوسی اور فرسودہ'' قرار دے دیا جاتا ہے ۔

اور ہر اس خیال کو آنکھیں بند کر کے قبول کر لیتے ہیں جسے ان طاقتوں کی تائید و حمایت حاصل ہوتی ہے ۔ انسانی تاریخ میں عقل کے نام پر بے عقلی کا اس قدر وسیع پیمانے پر مظاہرہ شاید ہی کبھی ہوا ہو ۔ میں بھی دقیانوسیت اور توہم پرستی کا سخت مخالف ہوں لیکن کوئی بھی سمجھ دار شخص بقائمی ہوش و حواس اس انتہا پسندی کی تائید نہیں کر سکتا کہ ماضی میں منکشف ہونے والے حقائق کو بھی دقیانوسی اور وہمی کہہ کر رد کر دیا جائے ۔ انتہا پسندی غلط چیز ہے خواہ ماضی پرستی کی شکل میں ہو یا نام نہاد جدت پرستی کی شکل میں ۔ یہ انداز انسانی عقل کی شان کے سراسر خلاف ہے کہ جدھر کی ہوا چلے انسان بے پیندے لوٹے کی طرح ادھر ہی لڑھک جائے ۔ عقل کے شایان شان تو یہ ہے کہ سچائی کا منہ چڑانے والی کیسی ہی تند و تیز آندھیاں کیوں نہ چلیں وہ ان کے گرد و غبار میں حقائق کا چہرہ نہ چھپنے دے ۔ حالات کیسے ہی سخت کیوں نہ ہوں اعتدال کا دامن کسی طور نہ چھوڑے کیوں کہ میانہ روی اور سچائی کے ساتھ پائیدار وابستگی ہی صحیح راستہ ہے ۔

دہریت کے اسباب :

بعض ساتھی حیرت زدہ ہو کر پوچھتے ہیں کہ آخر اتنی بڑی دنیا دہریت کی گود میں کیسے جا گری ۔ میں کہتا ہوں اس کے مختلف اسباب ہیں ۔ پہلا سبب ہے منکر مذہب طاقتوں کا مذہب کے خلاف یک طرفہ پراپیگنڈا جو وہ اپنے ممالک میں وسیع پیمانے پر کر رہی ہیں ۔ دوسرا سبب ہے دہریہ طاقتوں کی شان و شوکت سے ذہنی طور پر مرعوبیت ۔ تیسرا سبب ہے مذہبی رہنماؤں کا خدا کے نام پر عوام کو لوٹنا اور چوتھا سبب ہے مادی ضرورتوں کی یلغار جس کی وجہ سے وجدان کی آواز دب کر

رہ گئی ہے اور عقل کی تمام صلاحیتیں ان ضرورتوں کی تکمیل میں صرف ہو رہی ہیں ۔ یہ ایک عبوری دور ہے جو ختم ہو جائے گا ۔ کوئی دباؤ انسانی ذہن کو زیادہ عرصہ تک ہستیِ اعلیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے نہیں روک سکتا ۔ اب انسانیت نے وجدان کی بجائے عقل کو عالمگیر سطح پر حقیقت اعلیٰ تک رسائی کے ذریعے کے طور پر استعمال کرنا ہے ۔ یہ درست ہے کہ ابتدائی انسان برس ہا برس تک وجدان کے ذریعے ہستیِ اعلیٰ تک رسائی حاصل کرتے رہے مگر اب وسیع پیمانے پر ایسا نہیں ہو سکتا ۔ اب تو حقیقت اعلیٰ تک رسائی کے لیے عقل و برہان ہی عالمگیر ذریعے کے طور پر استعمال ہو سکتے ہیں ۔ وجدان چند غیر معمولی افراد کے لیے تو ذریعۂ علم بن سکتا ہے مگر عالمگیر حیثیت اختیار نہیں کر سکتا کیوں کہ وجدانی صلاحیتیں عہد حاضر کی معاشی ضرورتوں کے بوجھ تلے دب چکی ہیں ۔ آج کل عقلیت کے نام پر جو دہریت کا پرچار ہو رہا ہے یہ در اصل عقل کے نام پر بے عقلی کا مظاہرہ ہے ۔ صحیح عقل نے تو پہلے بھی ہستیِ اعلیٰ پر ایمان کی طرف رہنمائی کی ہے اور آئندہ بھی کرتی رہے گی ۔ یقین جانو انسان نے جس طرح عقل کی مدد سے تسخیر کائنات میں حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کی ہیں ، وہ وقت دور نہیں جب عقل ہی کے ذریعے وہ عالمگیر سطح پر ہستیِ اعلیٰ کا ادراک کرنے لگے گا ۔ اور جس طرح آج انکار کے اندھیرے چھائے ہوئے ہیں اسی طرح کل ایمان کی روشنی چار سو محیط ہوگی ۔ لیکن قافلۂ انسانیت کے تمام کے تمام افراد جب تک عقلی طور پر بالغ نہیں ہو جاتے ایمان اور کفر کی آنکھ مچولی باقی رہے گی ۔ کبھی کوئی قوم ایمان سے بہرہ ور ہوگی اور کبھی کفر کی آگ میں جا گرے گی ۔ لیکن جب ساری دنیائے انسانیت عقلی طور پر بالغ ہو جائے گی تو پھر ہر سو ایمان ہی ایمان ضو فشاں ہوگا ۔

☆ ☆ ☆